اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرانے کی سازش کو ناکام بنانے کی جو تدبیر بتائی تھی کیا وہ یہ تھی
''میں تمہیں آسمانوں پر زندہ اٹھالوں گا اور مناسب وقت پر دوبارہ زمین پر بھیج دونگا؟''

عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اکثریتی گروہ کے کفر کی شدت کو محسوس (أَحَسَّ) کر لینے پر اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کیلئے حواریون سے پوچھا تھا کہ ''کون اللہ کی طرف میرا مددگار ہوگا''۔ عیسیٰ علیہ السلام احتیاطی تدبیر کر رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بتایا

وَمَكَرُوا۟ وَمَكَرَ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ ﴿٥٤﴾

''اور انہوں (کفر کرنے والے گروہ) نے (عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا) منصوبہ بنایا اور اللہ نے اسے ناکام بنانے کی تدبیر کی۔

اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے'' (آلِ عمران-۵۴)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین تدبیر کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام کو یوں بتایا تھا

إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟

آثارِ علم کے بغیر بات کو تسلیم کر لینے کے نتیجے میں عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش کو ناکام بنانے کیلئے بتائی گئی اس تدبیر کا ترجمہ، مفہوم، تفسیر یوں کی جاتی ہے:

[ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب] [''جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں''۔ تفسیر: (۱) التوفی کا مصدر توفی اور مادہ وفی ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں، انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس لئے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لئے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے۔ نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیئے جاتے ہیں اس لئے نیند پر بھی قرآنِ نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی معنی اور اصل معنی پورا پورا لینے کے ہی ہیں۔ (اِنِّی مُتَوَفِّیکَ) میں یہ اسی اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی میں اے عیسیٰ علیہ السلام تجھے یہودیوں کی سازش سے بچا کر پورا پورا آسمانوں پر اٹھالوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بعض نے اس کے مجازی معنی شہرت استعمال کے مطابق موت ہی کے معنی کئے ہیں لیکن اس کے ساتھ انہوں نے کہا کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی رَافِعُکَ (میں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں) کے معنی مقدم ہیں اور مُتَوَفِّیکَ (فوت کرنے والا ہوں) کے معنی متاخر، یعنی میں تجھے آسمان پر اٹھالوں گا اور پھر جب دوبارہ دنیا میں نزول ہوگا تو اس وقت موت سے ہمکنار کروں گا۔ یعنی یہودیوں کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہوگا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی (فتح القدیر و ابن کثیر) [ایک نکتے کی جانب توجہ مبذول کراؤں گا: کیا یہ

نفاست کلام ہے؟ ''پورا پورا آسمانوں پر اٹھالوں گا'' کیا آدھا بھی اٹھایا جاسکتا ہے؟ کیا آدھی ''وفات ''ہوتی ہے؟ کیا آدھی موت ہوتی ہے؟]

[ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ تفسیر مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن]

[''یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تجھے کافروں سے پاک کردونگا''

تفسیر (۷) یعنی تمہیں کفار قتل نہیں کرسکیں گے (مدارک وغیرہ) (۸) آسمان پر مقرب ملائکہ میں بغیر موت کے]

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب نے کہا کہ ''مادہ ''وفی'' کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں''۔ لیکن لغت میں اس کے بنیادی معنیٰ اس چیز اور بات کے ہیں جو مکمل ہوگئی، پوری ہوگئی، تکمیل تک پہنچانا، اور پورا پورا دینے کے ہیں'۔ ''پورا پورا لینے ''اور ''پورا پورا دینے ''میں کتنی ڈگریوں کا فرق ہے اسے آپ خود ناپ لیں۔ قرآنِ مجید میں مادہ ''وف ی'' سے بنے الفاظ چھیاسٹھ (۶۶) مرتبہ آئے ہیں۔ انسان وعدہ نبھادے تو اپنی کہی ہوئی بات کو مکمل کردیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اول مرتبہ اس مادہ سے بنا ہوا لفظ وعدہ وفا کرنے کے معنوں میں آیا ہے ''أَوۡفُواْ بِعَهۡدِىٓ میرے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرو۔ أُوفِ بِعَهۡدِكُمۡ تاکہ میں تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ وفا کروں'' (حوالہ البقرۃ۔۴۰)۔ انسان جب اپنا وعدہ وفا کردیتا ہے، دیئے ہوئے قول کو پورا کردیتا ہے، شئے کو پورا پورا دے دیتا ہے تو اس کی جانب سے عمل پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور اپنی ذمہ داری اور بوجھ سے آزاد ہوجاتا ہے کہ اس نے اس کو اپنے سے الگ کردیا ہے۔ [عہد پورا کرنے کے معنوں میں مادہ ''وف ی'' سے بنے ہوئے الفاظ ان مقام پر استعمال ہوئے ہیں (البقرۃ کی آیت ۴۰، ۱۷۷، آلِ عمران۔ ۷۶، المائدہ۔۱، الانعام۔۱۵۲، الاعراف۔۳۷، الانفال۔۵۰، التوبہ۔۱۱۱، یونس۔۴۶، الرعد۔۲۰، الاسراء۔۳۴، الفتح۔۱۰، النجم۔۳۷)۔ نذریں بھی ایک عہد ہے، بوجھ ہے جسے پورا کرنے کا مفہوم ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے، اسے اپنے سے الگ کرنا ہے۔ نذریں پوری کرنے، دینے کے معنوں میں سورۃ الحج کی ۲۹ اور الانسان کی آیت ۷ میں استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال واپس دے دیا جائے گا

وَمَا تُنفِقُواْ مِنۡ خَيۡرٍ يُوَفَّ إِلَيۡكُمۡ

''اور تم جو مال خرچ کرتے ہو وہ تمہیں پورا واپس کردیا جائے گا'' (حوالہ البقرۃ۔۲۷۲) کونسا مال؟

وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَىۡءٍ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ يُوَفَّ إِلَيۡكُمۡ

''اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ تمہیں پورا پورا واپس کردیا جائے گا'' (حوالہ الانفال۔۶۰)

کمائیوں اور اعمال کی پوری پوری جزا، اجرت دینے کیلئے کئی مقام پر استعمال ہوا ہے۔ چند مثالیں

وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ہر ایک کو جو اس نے کمایا ہوگا پورا (بدلہ) دے دیا جائے گا

اور کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی'' (حوالہ آلِ عمران ۔۲۵)

''فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ان کی اجرتیں اللہ پوری کردے گا'' (حوالہ آلِ عمران ۔۵۷،النساء ۔۱۷۳)

وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ٥ اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہوگا پورا دے دیا جائے گا

اوران پرزیادتی نہیں کی جائے گی'' (حوالہ النحل ۔۱۱۱)

''وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ اور ہر نفس کو پورا اجر دیا جائے گا جوعمل اس نے کیا ہوگا'' (حوالہ الزمر ۔۷۰)

وَ لِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ٥ ''اور تاکہ ان کے اعمال کا پورا پورا اجر دے

اوران پرزیادتی نہیں کی جائے گی'' (حوالہ الأحقاف ۔۱۹)۔

اشیاء کی مکمل ادائیگی ، پورا پورا دینے کے معنوں میں مادہ ''و ف ی'' استعمال ہوا ہے

فَأَوْفُوا۟ ٱلْكَيْلَ وَٱلْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ

''اس لئے ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو'' (الاعراف ۔۸۵)۔

(دوسرے مقام یہ ہیں سورۃ الانعام ۔۱۵۲،ھود ۔۸۵، یوسف ۔۵۹، ۸۸،الاسراء ۔۳۵،الشعراء ۔۱۸۱)۔

اور یہ مادہ انسان کی طبعی موت ، قتل اور اللہ کی راہ میں قتل (شہید) ہونے پر اس کے دوسرے انسانوں سے الگ ہونے کیلئے استعمال ہوا ہے۔اس مادہ سے بنا ہوا لفظ آخری مرتبہ سورۃ المطففین میں یوں آیا ہے

ٱلَّذِينَ إِذَا ٱكْتَالُوا۟ عَلَى ٱلنَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾ ۔صرف اس ایک آیت مبارکہ میں ''يَسْتَوْفُونَ'' کا ترجمہ ''پورا پورا لینا'' کیا جاتا ہے'' کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں'' (المطففین ۔۲)۔ اور اس طرح ترجمہ کرنے کی وجہ اگلی آیت ہے وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ ''اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں'' (المطففین ۔۳)۔

یہ ترجمہ عَلَى النَّاسِ کو ''مِنَ النَّاسِ'' پڑھ کر تصور کر کے کیا جاتا ہے۔اگر ایسا نہ کیا جائے تو ان آیات کا ترجمہ یہ ہے ''(افسوس ہے ان لوگوں پر) جو جب دوسروں سے ناپ کر لیتے ہیں تو لوگوں پر پورا دینا ہوتا ہے۔اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں''۔سب جانتے ہیں کہ فریب کرنے والے لوگ دوسروں سے لیتے ہوئے محتاط ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کافروں کی سازش کو ناکام بنانے کی تدبیر بتا رہا تھا عیسیٰ علیہ السلام سے معاذ اللہ پہیلیاں نہیں بجھوا رہے تھے کہ

مُتَوَفِّيكَ استعمال رَافِعُكَ سے پہلے کیا ہے لیکن اس کے معنی تم رَافِعُكَ کے بعد کے لینا اور سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کو اُس موقع پر یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ "یہودیوں کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہوگا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی"۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی تدبیر بتاتے وقت قطعاً یہ نہیں کہا تھا کہ "یہودی تجھے قتل نہیں کرسکیں گے"۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ہمیں بتائی ہے

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ "انہیں یقیناً قتل نہیں کیا گیا تھا" (حوالہ النساء۔۱۵۷)

سیدہ مریم صدیقہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو تو پیدائش کے وقت سے یہ بات معلوم تھی کہ انہوں نے قتل نہیں ہونا۔ ماں کی گود ہی میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق لوگوں کو پورے اعتماد سے یہ بات بتائی تھی

وَٱلسَّلَٰمُ عَلَيَّ يَوۡمَ وُلِدتُّ وَيَوۡمَ أَمُوتُ وَيَوۡمَ أُبۡعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ (سورۃ مریم۔۳۳)

"اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا، جس دن میں طبعی موت مروں گا اور جس دن (یوم بعث) میں زندہ اٹھایا جاؤں گا"۔

سلام ہو سیدہ مریم صدیقہ پر کہ انہیں یہ بات اُس وقت سے معلوم تھی جب عیسیٰ علیہ السلام ان کی گود میں دودھ پیتے تھے کہ انہیں کوئی شخص قتل نہیں کرسکتا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور نبی ہونے کا اعلان کرنے کے ساتھ اپنے لئے أَمُوتُ استعمال فرمایا تھا۔ اور یہ گمان کرنا بھی گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو أَمُوتُ اور القتل میں فرق واضح نہیں تھا۔ یہ یاد رہے کہ أَمُوتُ صرف اور صرف طبعی موت کیلئے استعمال ہوتا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ قرآنِ مجید نے لفظ "موت" کا اطلاق نیند پر نہیں کیا چاہے وہ برسوں پر محیط ہو (حوالہ اصحاب کہف کی نیند)۔

عیسیٰ علیہ السلام کو بتائی گئی تدبیر میں لفظ مُتَوَفِّيكَ (مُتَوَفِّي (مادہ "و ف ی" + كَ) کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے کیلئے قرآنِ مجید سے اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں کہ کیا "يُتَوَفَّوْنَ" (مادہ "و ف ی") کے معنی اور مفہوم "يموتون" ہوسکتا ہے؟ عام فہم انداز میں سوال یہ ہے کہ کیا "وفات، متوفی" کے معنی اور مفہوم "موت، میت" ہیں؟

قرآنِ مجید میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۴ اور ۲۴۰ کی ابتدا میں من وعن ایک جیسے الفاظ میں فرمایا:

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنكُمۡ وَيَذَرُونَ أَزۡوَٰجًا

"اور تم میں سے جو الگ ہوتے ہیں (طبعی موت، قتل یا شہید ہونے کی بناء پر) اور اپنی بیویوں کو چھوڑتے ہیں"

فرمان کے اس حصے کا ترجمہ تفسیر کرنے کا رواج یوں ہے

[ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی ۔قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس ۔سعودی عرب]
آیت:۲۳۴۔''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں''
آیت:۲۴۰۔''جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں''
[ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی ۔ کنز الایمان فی ترجمة القرآن]
آیت:۲۳۴۔''اور تم میں سے جو مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں''
آیت:۲۴۰۔''اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں''
[''اور تم میں سے جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں''۔مترجم:مولانا محمد علی ۔ بیان القرآن)

Ayat:234

Yusuf Ali: If any of you die and leave widows behind

Pickthall: Such of you as die and leave behind them wives,

F. Malik: As for those of you who die and leave widows behind,

M. Asad: And if any of you die and leave wives behind,

Ayat:240

Yusuf Ali: Those of you who die and leave widows

Pickthall: (In the case of) those of you who are about to die and leave behind them wives,

[Reference Computer CD "Alim" ISI Software Corp. U.S.A]

آیات مبارکہ کے لفظ یُتَــوَفَّــوْنَ کے معنی''فوت ہو جائیں''،''مریں''اور انگریزی میں **'die'** کئے گئے ہیں۔ یہ درحقیقت اس ترجمے کا ترجمہ ہے جو تفسیر الجلالین اور القرطبی نے یُتَوَفَّوْنَ کا کیا تھا۔ تفسیر القرطبی اور الجلالین میں اس کا ترجمہ ''یموتون'' کیا تھا۔ اور انہوں نے '' یَذَرُوْنَ '' کا ترجمہ ''یترکون''، کیا تھا جو مادہ ''ت ر ک'' (ترک) سے ہے جس کے معنی ''چھوڑ دینا'' ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلام اور لوگوں کی باتوں (جن میں قابل احترام قدیم اور جدید مفسرین شامل ہیں) میں بنیادی فرق کیا ہے؟
قرآنِ مجید کلام اللہ ہے اور یہ کتابِ لاریب ہے۔ کتاب لاریب (ایسی کتاب جس میں بیان کردہ حقائق شک وشبہ سے بالاتر ہوں) کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ زمان ومکان کے حوالے کی قید سے آزاد ہوتی ہے اور زمان ومکان کے حوالے کی قید سے آزاد کتاب حقیقت

بیان کرتی ہے اور حقیقت اختلاف اور تضاد کے امکان سے آزاد ہوتی ہے اس لئے کتاب کے بیان، باتوں میں تناقض نہیں پایا جاتا۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَـٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

''تو کیا وہ قرآن (مجید) میں تدبر نہیں کرتے!

اور اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بیان کردہ باتوں میں کثیر اختلاف پاتے'' (سورۃ النساء۔۸۲)

کتابِ لاریب کی حقیقت اور مفہوم کو ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ زمان و مکان کے خالق اللہ تعالیٰ کے سوا قرآن مجید اگر زمان و مکان کی کسی ہستی کی تصنیف ہوتا تو اس میں آگے پیچھے بیان کردہ باتوں میں بکثرت اختلاف اور تضاد (تناقض) پایا جاتا۔ اور یہ اصول اور حقیقت واضح کر دی کہ اختلاف اور تضاد بیانی سے ایسی کتابیں پاک نہیں اور نہ آئندہ وجود میں آنے والی کتابیں ہو سکتی ہیں جو زمان و مکان میں محدود ہستی کی تحریر پر مبنی ہوں۔ اور یوں یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ ان کتابوں میں اختلاف اور تضاد کے امکانات زیادہ ہوں گے جس کا مصنف اس میں موجود تحریر اور کلام کو کسی دوسری شخصیت سے منسوب کرے۔

ان قابل احترام مفسرین کے ''ترجمہ اور تفسیر'' کو من و عن صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اسے اُن کا اپنا بیان مانیں گے کیونکہ ان کے بیان سے دوسرے مقام پر واضح تضاد (تناقض) پایا جاتا ہے اور اس بناء پر اسے قرآنِ مجید کا بیان کسی صورت نہیں مانا جا سکتا۔ مفسرین کے يُتَوَفَّوْنَ کے بیان کردہ معنی ''يموتون'' تسلیم کر لئے جائیں تو پھر ان میں تناقض، تضاد کیا ہے؟ اہل ایمان اپنی بیویوں سے يُتَوَفَّوْنَ (درحقیقت الگ ہونا) دو طرح سے ہو سکتے ہیں۔

وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوْ مُتُّمْ ''اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے یا تم مر گئے'' (حوالہ آلِ عمران۔۱۵۷)

وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ ''بالیقین خواہ تم مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ'' (حوالہ آلِ عمران۔۱۸۷)

قُتِلُوٓا۟ أَوْ مَاتُوا۟ ''وہ لوگ قتل ہو گئے یا مر گئے'' (حوالہ الحج۔۵۸)

قُتِلْتُمْ اور مُتُّمْ ایک دوسرے سے قطعی منفرد ہیں اگرچہ ان دونوں صورتوں میں انسان لوگوں سے اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جاتا ہے۔ ہمارا علم اور ادراک بھی یہ ہے کہ ٱلْمَوْتَ اور ٱلْقَتْلِ حیات کے خاتمے کے ایک دوسرے سے الگ اور منفرد انداز ہیں۔ ٱلْمَوْتَ کو ہم ٱلْقَتْلِ نہیں کہہ سکتے اور نہ ٱلْقَتْلِ کو ٱلْمَوْتَ کہہ سکتے ہیں اگرچہ نتیجہ دونوں کا ایک ہوتا ہے کہ مرنے یا قتل ہونے والے ہم سے الگ ''يُتَوَفَّوْنَ'' ہو جاتے ہیں اور ہمیں اور بیویوں کو ''يَذَرُونَ'' یعنی چھوڑ جاتے ہیں۔

یُتَوَفَّوْنَ کے بعض مفسرین کے بیان کردہ معنی ''یموتون''، تسلیم کر لئے جائیں تو پھر ان میں تناقض، تضاد کیا ہے؟ اہل ایمان میں سے بیویوں سے الگ (یُتَوَفَّوْنَ) وہ بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے گھروں سے نکلتے ہیں (آج کے دور میں مسلم فوج، ائیرفورس، نیوی کے جوان، افسر جنہیں میدان جنگ میں بھیجا جاتا ہے) اور پھر ان میں سے بعض قتل ہو جاتے ہیں (اور بعض کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ قتل ہو گئے ہیں یا کہیں لاپتہ (Missing) ہیں)۔ اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی جنگ، القتال میں قتل ہونے والے مجاہد خاوندوں کیلئے یَمُوتُ استعمال نہیں ہوتا (اور خبردار کوئی کرے بھی نہیں)

وَلَا تَقُولُواْ لِمَن يُقْتَلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتٌۢ

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ (مَيِّتٌ، مرے ہوئے) مت کہو''

وَلَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُواْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتًاۢ

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ (مَيِّتٌ، مرے ہوئے) گمان نہ کرو'' (حوالہ البقرۃ ۱۵۴، آلِ عمران ۔ ۱۶۹)

کہنے کا تعلق زبان سے ہے اور گمان کا تعلق دل و دماغ سے ۔ اللہ نے دونوں کو پابند کر دیا۔ سبحان اللہ! کیا رتبہ اور مقام ہے اور کیا زندگی ہے اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کی ۔ اور واضح فرما دیا

بَلْ أَحْيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝

''نہیں! درحقیقت وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی جانب سے رزق پاتے ہیں'' (حوالہ آل عمران ۱۶۹)

اگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو ہم مانتے ہیں تو پھر کیا ہمیں انکار ہو سکتا ہے کہ یُتَوَفَّوْنَ کے معنی ''یموتون'' نہیں ہیں؟

قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ اس میں تضاد اور تناقض نہیں پایا جاتا اس لئے البقرۃ کی آیات مبارکہ ۲۳۴ اور ۲۴۰ میں لفظ ''یموتون'' استعمال نہیں فرمایا بلکہ یُتَوَفَّوْنَ فرمایا اور جن مترجمین اور مفسرین نے یُتَوَفَّوْنَ کو ''یموتون'' سے بدل کر بیان کیا انہوں نے صحیح خیال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یُتَوَفَّوْنَ کے معنی ''الگ ہونا جس کا مفہوم چھوڑ جانا ہوتا ہے، کہ الگ وہ ہوتا ہے جو چھوڑتا ہے'' اس کے بالمقابل لفظ ''یَذَرُوْنَ'' سے بھی کھول کر واضح کر دیئے ہیں۔ یَذَرُوْنَ کا مادہ ''وذر'' ہے اور اس کے معنی گوشت کی چھوٹی بوٹی جس میں ہڈی نہ ہو، چھوڑ دینا ہیں۔ وَذَرُواْ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ ''اور اسے چھوڑ دو جو سود میں سے بقایا رہ گیا ہے'' (حوالہ البقرۃ ۔ ۲۷۸)۔ جہاد کیلئے صاحب ثروت منافقین اپنے گھروں اور بیویوں سے الگ ہونا نہیں چاہتے

وَقَالُواْ ذَرۡنَا نَكُن مَّعَ ٱلۡقَـٰعِدِينَ ٥

اور کہتے ہیں ''ہمیں چھوڑ دیں، بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہنے دیں'' (حوالہ التوبہ۔۸۶)

فَٱقۡعُدُواْ مَعَ ٱلۡخَـٰلِفِينَ ٥

''اس لئے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو'' (حوالہ التوبہ ۸۳)۔ متنبہ فرمایا

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ ٱلۡفِرَارُ إِن فَرَرۡتُم مِّنَ ٱلۡمَوۡتِ أَوِ ٱلۡقَتۡلِ

''آپ (ﷺ) کہہ دیں ''تمہیں فرار ہونا فائدہ نہیں دے گا اگر تم موت یا قتل ہونے سے بھاگتے ہو'' (حوالہ الاحزاب۔۱۶)

طبعی موت، یا انسان کا کسی کے ہاتھوں غلطی سے یا **مُتَعَمِّدًا** (دانستہ) قتل، یا اللہ کی راہ میں میدان جنگ، جہاد (القتال) میں قتل ہونے کا نتیجہ **یُتَوَفَّوْنَ**، الگ ہونا ہیں۔ طبعی موت دیار غیر میں دوران سفر بھی آسکتی ہے اور انسان کو کوئی غلطی سے یا **مُتَعَمِّدًا** (دانستہ) قتل اچانک بھی کرسکتا ہے۔ فرمایا

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنكُمۡ وَيَذَرُونَ أَزۡوَٰجًا يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرۡبَعَةَ أَشۡهُرٍ وَعَشۡرًا

''اور تم میں سے جو الگ ہوتے ہیں (موت، قتل یا شہید ہونے کی بناء پر) اور بیویوں کو چھوڑتے ہیں
تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں''

خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق اس کی متعین عدت کیلئے دینا ہوتی ہے۔ جن بیویوں کو باقاعدہ حیض آتا ہے ان کے خاوندوں نے انہیں طلاق تین حیض کیلئے دینا ہوتی ہے۔ عورت کا حیض اس کا مخصوص ذاتی معاملہ ہے اور اسے حیض مہینے کی کس تاریخ کو آتا ہے یہ وہ جانتی ہے یا اس کا خاوند جانتا ہے۔ حیض کے دورانیہ اور دو حیضوں کے درمیان کے صحیح وقفہ کو بھی وہ دونوں جانتے ہیں۔ بیوہ بننے والی عورتوں کیلئے عدت، انتظار کا وقت مہینوں اور دنوں کے حساب سے بتایا گیا ہے کیونکہ عورت کے حیض کا حساب رکھنے والا تو ''فوت'' یعنی الگ ہو گیا ہے اور کسی دوسرے کو حق حاصل نہیں کہ اس عورت کے حیض کے بارے جانکاری کرے۔ معاشرے کو بتا دیا گیا کہ بیوہ (جس کا خاوند موت، قتل یا شہید ہونے کی بناء پر اسے چھوڑ چکا ہے) کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔

انسان کو موت اچانک بھی آسکتی ہے، دوران سفر دیار غیر میں بھی موت پہنچ سکتی ہے اور اچانک اتفاقی طور پر یا دانستہ کسی کے ہاتھوں قتل بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن ایک انسان کو موت اس حالت میں بھی آتی ہے جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ موت آن پہنچی ہے۔ اور جب گھر سے جہاد کیلئے میدان جنگ میں نکلتا ہے تو اس ارادے سے نکلتا ہے کہ اس نے قتل کرنا ہے اور قتل (شہید) ہونا ہے۔ ان لوگوں کو

البقرۃ کی آیت ۲۴۰ میں ہدایت فرمائی:

وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا

''اور تم میں سے جو الگ ہوتے ہیں (موت کے وقت یا جہاد میں قتل، شہید ہونے کیلئے) اور بیویوں کو چھوڑتے ہیں

وَصِيَّةً لِّأَزْوَٰجِهِم مَّتَٰعًا إِلَى ٱلْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ

تو وہ لوگ اپنی بیویوں کیلئے وصیت کر کے جائیں (یا وصیت کریں) مال و اسباب دینے کی، ایک سال تک کیلئے، گھروں سے نکالے بغیر''

اچانک مرجانے والا یا کسی کے ہاتھوں اچانک قتل ہوجانے والا خاوند اس طرح کی وصیت نہیں کر سکتا۔ البقرۃ کی آیت ۲۳۴ میں ہدایت بیواؤں اور معاشرے کیلئے ہے جب کہ آیت ۲۴۰ میں ہدایت ان الگ ہونے والوں خاوندوں کو دی گئی ہے جنھیں اپنی موت کا وقت آن پہنچنے کا علم ہے (یا میدان جنگ میں جانے کی بناء پر قتل یعنی شہید ہونے کا امکان ہے) اور الگ ہوتے ہوئے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ رہے ہیں۔ قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے جس میں روز قیامت تک پیش آنے والے تمام امکانات اور حالات کیلئے دوٹوک اور محکم ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ قرآنِ مجید نے ہمیں سمجھا دیا کہ **يُتَوَفَّوْنَ** کے معنی ''یموتون'' نہیں ہیں اور یہ کہ طبعی موت، یا انسان کا کسی کے ہاتھوں غلطی سے یا **مُتَعَمِّدًا** (دانستہ) قتل، یا اللہ کی راہ میں میدان جنگ، جہاد (القتال) میں قتل ہونے کا نتیجہ ''وفات'' ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ ''موت'' ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے والا ''وفات'' کے باوجود زندہ ہے اگرچہ ہمیں اس کا شعور نہیں۔

آقائے نامدار ﷺ پر نازل فرمائی گئی کتاب کا تعارف ہے

ذَٰلِكَ ٱلْكِتَٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ

''یہ ہے وہ کتاب جسمیں ریب کوئی نہیں''

''یہ ہے کتاب لاریب''

رَيْبَ کا مادہ ''ر ی ب'' ہے۔ اس کے معنی شک وشبہ اور بے چینی ہیں۔ نفسیاتی الجھن، کشمکش اور اضطراب نفس کے معنوں میں آتا ہے۔ شک باعث الجھن اور اضطراب ہوتا ہے۔ علم کی ضد ریب، شک ہے۔ فلسفہ، خیال، گمان، مفروضہ، داستان، کہانی، روایت کا لازمی عنصر شک کی موجودگی ہے۔ کوئی بھی بات شک سے بالاتر جبھی کہلاسکتی ہے اگر زمان ومکان اسے متاثر نہ کرتے ہوں کیونکہ حقیقت

قیود سے آشنا نہیں ہوتی۔ کتاب کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ بیانِ حقیقت ہے۔ دعویٰ کر کے بتایا ہے کہ اس میں خیال، گمان، مفروضہ، داستان اور کہانی کا کوئی عنصر اور پہلو نہیں اس لئے شک وشبہ سے بالاتر ہے اور شک وشبہ سے بالاتر کتاب قابل اعتماد ہونے کی منتہا **(infinitely reliable)** پر ہوتی ہے۔ کتاب نے پریقین اور لطیف انداز میں اپنے تعارف ہی میں دعوے سے کہہ دیا کہ اس کے علاوہ کائنات میں بکھری کتابیں شک وشبہ سے بالاتر نہیں ہیں۔ انہیں بغیر تحقیق وتجسس ہر حال میں قابل اعتماد (infinitely reliable) نہیں مانا جاسکتا۔

طبعی موت کیسے واقع ہوتی ہے؟ سورۃ الزمر کی آیت ۴۲ میں بتایا

ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَٱلَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ ٱلَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا ٱلْمَوْتَ وَيُرْسِلُ ٱلْأُخْرَىٰٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کی موت کا وقت آنے پر ''اس نفس کو تَوَفّٰی'' کرتے ہیں۔ اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا اس کو تَوَفّٰی اس کی نیند کے دوران کرتے ہیں۔ پھر اس ایک ''نفس'' کو (یُمْسِکُ) روک لیا جاتا ہے جس کی موت کا وقت پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اور دوسرے کو واپس بھیج دیا جاتا ہے متعین مدت تک کیلئے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کیلئے نشانی (علم) ہے جو تفکر کرتے ہیں'' (الزمر۔۴۲)

انسان کو جاگتے ہوئے اور نیند کے دوران موت آسکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں یَتَوَفَّى الْأَنفُسَ کرتے ہیں

ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا اللہ تعالیٰ کسی نفس کی موت کا وقت آنے پر ''یَتَوَفَّى الْأَنفُسَ'' کرتے ہیں۔

وَٱلَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ اور جس نفس کی موت کا وقت نہیں آیا، اس کی نیند کے دوران یَتَوَفَّى الْأَنفُسَ کرتے ہیں۔

موت کے وقت اور دوران نیند نفس کے تَوَفّٰی کے معنی اور مفہوم کو واضح فرمایا

فَيُمْسِكُ ٱلَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا ٱلْمَوْتَ

''پھر جس ''نفس'' کی موت کا وقت دوران نیند پہنچ چکا ہوتا ہے اس کو (یُمْسِکُ) روک لیا جاتا ہے''۔

یُمْسِکُ کا مادہ ''م س ک'' اور اس کے معنی کسی کو پکڑ لینا، روک لینا ہیں۔ قرآنِ مجید میں ''اِمْسَاک'' (مادہ۔م س ک) کے بالمقابل ''تسریح'' (مادہ۔س ر ح) استعمال ہوا ہے۔ طلاق کے قانون کے ضمن میں فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ اور تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَٰنٍ ۗ استعمال ہوئے ہیں۔ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ کے بالمقابل سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ آیا

ہے۔''امساک'' کے معنی روک لینے کے ہیں اور ''تسریح'' کے معنی رخصت کردینے، الگ کردینے کے ہیں۔ فَأَمۡسِكُوهُنَّ بِمَعۡرُوفٍ کے بالمقابل فَارِقُوهُنَّ بِمَعۡرُوفٍ بھی استعمال ہوا۔ فَارِقُوهُنَّ کے معنی ہیں ''انہیں الگ کردو، جدا کردو''۔ اس کا مادہ ''ف رق'' ہے جو سر کی مانگ کو کہتے ہیں جس سے دونوں طرف کے بال الگ الگ، جدا جدا ہوجاتے ہیں۔ فَأَمۡسِكُوهُن کے بالمقابل سورۃ النساء کی آیت ۱۵ میں يَتَوَفَّىٰهُنَّ استعمال ہوا ہے۔ چار شہادتوں سے جن عورتوں کے بارے میں ثابت ہوچکا ہو کہ فحاشی کی مرتکب ہوئی ہیں ان کے متعلق حکم دیا فَأَمۡسِكُوهُنَّ فِي ٱلۡبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّىٰهُنَّ ٱلۡمَوۡتُ ''پھر انہیں گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ موت انہیں ''وفات'' دے دے''۔ یعنی انہیں اس وقت تک گھروں میں روکے رکھنا ہے جب تک ''موت انہیں تم سے الگ کردے''

اس طرح واضح ہے کہ موت کا وقت پہنچنے پر اور دوران نیند نفس کے تَوَفِّيٰ کے معنی نفس کو الگ کرلینا ہیں۔ اور جن کی موت کا وقت دوران نیند پہنچ جاتا ہے ان کے نفس کو تو يُمۡسِكُ روک لیا جاتا ہے لیکن دوران نیند جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا

وَيُرۡسِلُ ٱلۡأُخۡرَىٰٓ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمًّىۚ

''اور دوسرے ''الگ کئے ہوئے نفس'' کو يُرۡسِلُ واپس بھیج دیتے ہیں مقررہ مدت تک کیلئے''

يَتَوَفَّى ٱلۡأَنفُسَ کے بعد کے عمل يُمۡسِكُ یا يُرۡسِلُ نے واضح کردیا کہ موت کے وقت اور نیند میں نفس کے تَوَفِّيٰ کے معنی اور مفہوم یہ ہے کہ نفس کو الگ کرلیا جاتا ہے، بلا لیا جاتا ہے اور پھر اسے روک لیا جاتا ہے یا واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ موت کے وقت جس نفس کو تَوَفِّيٰ کیا گیا ہے اسے واپس نہیں بھیجا جاتا بلکہ مقررہ ساعت کے آنے (روز قیامت دوسرا صور پھونکا جانے) تک روک لیا گیا ہے

سورۃ الانعام کی آیت ۶۰ میں بھی بتایا

وَهُوَ ٱلَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِٱلَّيۡلِ ''اور وہی تمہیں رات کو (نیند کے ذریعے) الگ کرلیتا ہے

وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُم بِٱلنَّهَارِ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيهِ لِيُقۡضَىٰٓ أَجَلٞ مُّسَمًّىۖ

اور جانتا ہے جو کام تم دن کو کرتے ہو، بعد ازاں نیند وہ تمہیں اس میں اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ مدت تک کا وقت پورا کیا جائے''۔

يَتَوَفَّىٰكُم بِٱلَّيۡلِ اور فِي مَنَامِهَا نیند کے دوران يَتَوَفَّى ٱلۡأَنفُسَ کا نتیجہ اگر ٱلۡأَنفُسَ کو يُمۡسِكُ روک لینا ہے تو موت واقع ہوجائے گی۔ لیکن اگر ٱلۡأَنفُسَ کو يُرۡسِلُ واپس بھیج دیا گیا تو یہ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ ''بعد ازاں تمہیں دوبارہ اٹھا دینا'' ہے۔

موت اور نیند دونوں میں ''نفس'' کو توَفّیٰ یعنی الگ کیا جاتا ہے۔ اگر اس دوران موت کا وقت نہیں پہنچا تو یہ علیحدگی مختصر وقت کیلئے ہوگی اور ''نفس'' کو واپس ارسال کر دیا جائے گا۔ نیند ''عارضی، مختصر دورانیے کیلئے نفس کی علیحدگی (وفات) ہے، لیکن موت نہیں''۔ انسان نیند سے بیدار ہوکر اپنی زندگی کی مدت کو پورا کرنے کی طرف رواں دواں رہے گا۔ اور موت کے معنی یہ ہیں کہ ''نفس کا تَوَفّیٰ اس وقت تک ہے جسے اجل مسمی (معلوم وقت کی مقررہ مدت) کہا گیا ہے، یعنی روز قیامت کو دوسرا صور پھونکے جانے کا لمحہ''۔

نینداور موت وہ شئے ہے جو زندگی کی آزادانہ نقل وحرکت میں حائل ہوجاتی ہے۔ ''زندگی'' اور ''نیند، موت'' ایک دوسرے کی ''غیر اور مختلف'' ہیں۔ انسان کی ارادہ واختیار، ہوش وحواس کی زندگی کا مظہر یہ ہے کہ ''نفس'' اس کے ساتھ (موجود) ہے۔ لیکن اگر ''نفس'' کو اس سے تَوَفّیٰ یعنی الگ کرلیا گیا ہے تو پھر یہ ''زندہ انسان'' سے مختلف ہے کہ یہ حالتِ ''نیند'' میں ہے یا ''میت'' ہے۔ ''نفس کے ساتھ زندہ انسان'' اور ''نفس الگ کرلینے کے بعد حالت نیند کا انسان'' ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ قرآنِ مجید میں ''حالت نیند'' سے بیدار کر کے ''نفس کے ساتھ'' والی حالت میں لانے کے مابین ہمیشہ حرف ثُمَّ استعمال ہوا ہے۔ نیند میں ''نفس'' کی علیحدگی عارضی اور مختصر مدت کیلئے ہے اور اس کا واپس (یُرسِل) بھیج دیا جانا زندگی کو پھر سے ارادہ واختیار کے تحت متحرک اور رواں دواں کر دیتا ہے۔ لیکن انسان کی موت پہنچ جانے پر وفات یعنی ''نفس کی علیحدگی'' ایک طے شدہ وقت تک کیلئے ہے۔ جس کے پہنچ جانے پر بَعث یعنی دوبارہ اٹھانا ہے

قَالُواْ يَـٰوَيۡلَنَا مَنۢ بَعَثَنَا مِن مَّرۡقَدِنَاۜ

'' کہیں گے' ہم پر افسوس! ہمیں کس نے ہماری خوابگاہوں سے اٹھایا

هَـٰذَا مَا وَعَدَ ٱلرَّحۡمَـٰنُ وَصَدَقَ ٱلۡمُرۡسَلُونَ ۝

یہ ہے وہ جس کا الرحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا'' (سورۃ یٰس۔۵۲)۔

قرآنِ مجید میں جیسے نیند اور دوبارہ اٹھائے جانے کے درمیان ہمیشہ حرف ثُمَّ استعمال ہوتا ہے ویسے ہی انسان کی موت اور ٱلۡبَعۡثِ کے مابین ہمیشہ حرف ثُمَّ استعمال ہوا ہے۔ ''ہوش وحواس والی بااختیار زندگی اور نیند، اور زندگی اور موت میں فرق یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی میں ''نفس'' ساتھ ہوتا ہے اور نیند اور موت میں ''نفس'' ساتھ نہیں ہوتا بلکہ الگ ہوتا ہے ''جسد اور نفس'' یک جان ہوں تو انسان ارادہ واختیار کا مالک اور قابل مؤاخذہ ہے اور حالت نیند میں ''جسم'' کیا کچھ کرتا ہے اس کیلئے انسان جوابدہ نہیں۔ موت انسان کو ''وفات'' دیتی ہے یعنی اسے لوگوں سے الگ، علیحدہ کرتی ہے اور نیند میں بھی انسان حقیقت میں دوسروں سے الگ ہوتا ہے۔

''بَعۡثِ'' کا مادہ ''ب ع ث'' ہے اوراس کے بنیادی معنی اس چیز کو جو کسی کی آزادانہ نقل وحرکت میں حائل ہو راستہ سے ہٹا دینا ہیں، اس قسم کے موانع کو دور کر دینا اور یوں اس کی حرکت کو جاری کر دینا۔ اس چیز کو جس کی بناء پر ''موت'' واقع ہوئی تھی اگر راہ سے ہٹا دیا جائے تو زندگی، حیات پھر سے رواں دواں ہو جائے گی۔ یہ ٱلۡبَعۡثِ ہے۔ اس لفظ اور ٱلنَّوۡمَ ،نیند کی حقیقت اور ان میں مماثلت کیا ہے؟

وَٱلنَّوۡمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ ٱلنَّهَارَ نُشُورًا

''اور نیند کو آرام،سکون (آزاد فعل وحرکت میں حائل) بنایا اوردن اٹھنے کیلئے بنایا'' (الفرقان۔۴۷)

سُبَاتًا کا مادہ ''س ب ت'' ہےاوراس کے اصلی معنی راحت وسکون کے ہیں۔ ''اور چونکہ راحت وسکون کا مطلب یہ ہے کہ انسان حرکت و عمل کو چھوڑ دیتا ہےاس لئے اس کے معنی ترکِ عمل اور قطع کرنے کے ہوگئے'' (تاج) اور نُشُورًا کا مادہ ''ن ش ر'' ہے اور ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کھول دینے اور اس کے شاخ در شاخ ہو جانے کے ہیں۔ يَتَوَفَّىٰكُم بِٱلَّيۡلِ ''تمہیں رات میں وفات دیتے ہیں'' کے بعد دن میں ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ ''بعد ازاں اٹھا، جگا دیتے ہیں''، وَٱلنَّوۡمَ سُبَاتًا ''اور نیند کو باعث سکون (آزادانہ اور اختیار کے تحت نقل وحرکت میں رکاوٹ بنایا'' اور ٱلنَّهَارَ نُشُورًا ''اور دن کو اٹھنے، آزادانہ نقل وحرکت، حیاتِ نو کیلئے بنایا''۔ موت اور نیند کی آپس میں مناسبت، مشابہت، مماثلت واضح فرمائی

فَسُقۡنَٰهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحۡيَيۡنَا بِهِ ٱلۡأَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَاۚ كَذَٰلِكَ ٱلنُّشُورُ

(اور اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے، پھر وہ بادل کو ابھارتی ہیں) ''پھر ہم اسے 'مردہ شہر' کی طرف مجتمع کر دیتے ہیں، پھر اس سے زمین کو 'مردہ' ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ یوں ہوتی ہے حیات نو، حیات تازہ!'' (حوالہ سورۃ فاطر۔۹)

ثُمَّ أَمَاتَهُۥ فَأَقۡبَرَهُۥ ﴿٢١﴾ ''بعد ازاں اسے موت دی تو اسے قبر میں ڈال دیا

ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنشَرَهُۥ ﴿٢٢﴾ بعد ازاں جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا'' (عبس ۲۱۔۲۲)۔ لیکن کافر کہتے ہیں

إِنۡ هِيَ إِلَّا مَوۡتَتُنَا ٱلۡأُولَىٰ وَمَا نَحۡنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾

''یہ ہماری پہلی موت ہی ہے جو ہے، اور ہم یقیناً دوبارہ اٹھائے جانے (حیات نو پانے) والے نہیں'' (الدخان۔۳۵)

سورۃ الفرقان کی آیت ۴۰ کے آخر میں بتایا بَلۡ كَانُواْ لَا يَرۡجُونَ نُشُورًا ۝ ''بلکہ وہ جی اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے''۔

تَوَفّٰی کے معنی اور مفہوم ''موت'' نہیں ہیں۔

وَٱلَّتِی لَمۡ تَمُتۡ فِی مَنَامِهَاۖ ''اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا، اس کی نیند کے دوران نفس کو تَوَفّٰی یعنی الگ کرتے ہیں''

وَهُوَ ٱلَّذِی یَتَوَفَّىٰكُم بِٱلَّیۡلِ ''اور وہی تمہیں رات میں ''وفات'' دیتا ہے''۔

اور نینداور رات کے بعد ازاں ''یَبۡعَثُ'' اٹھاتا، جگاتا ہے۔اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ ضروری نہیں کہ تَوَفّٰی یعنی 'وفات' موت پر ہی منتج ہو۔''تَوَفّٰی، وفات'' بغیر 'موت' کے بھی وقوع پذیر ہوتی ہے کیونکہ نیند میں یَتَوَفَّى ٱلۡأَنفُسَ وفات دیئے ہوئے نفس کو اگر یُرۡسِلُ واپس بھیج دیا جائے تو موت واقع نہیں ہوگی۔اس طرح واضح ہوا کہ 'وفات' کے معنی موت (death) نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی اور مفہوم الگ کرنا ہیں۔ لیکن موت ''ٱلۡأَنفُسَ'' (نفس) کی مستقل تَوَفّٰی، وفات، علیحدگی کے بغیر واقع نہیں ہوسکتی۔

''نفس کا تَوَفّٰی یعنی وفات، علیحدگی'' ٱلۡمَوۡتَ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خود ٱلۡمَوۡتَ اس کا نتیجہ، اظہار اور ثبوت ہے۔اور موت انسان کو تَوَفّٰی وفات'' دیتی ہے، یعنی اسے زندہ انسانوں سے علیحدہ، الگ کردیتی ہے یَتَوَفَّىٰهُنَّ ٱلۡمَوۡتُ ''موت ان عورتوں کو الگ کردے''، اور اس کی شناخت، حیثیت کو مَیِّتٌ میں بدل دیتی ہے کہ زندگی کی آزاد، خودمختار نقل وحرکت سے عاری ہے۔ فَأَقۡبَرَهُۥ اس لئے لوگ اسے زندہ انسانوں سے الگ کرکے قبر میں ڈال دیتے ہیں۔ موت جو انسان کو دوسروں سے وفات، علیحدگی دیتی ہے اس کی اپنی حقیقت بھی بس اتنی سی ہے کہ انسان کو دوسروں سے ایک معینہ مدت کیلئے الگ کردیتی ہے۔

قَالُواْ یَـٰوَیۡلَنَا مَنۢ بَعَثَنَا مِن مَّرۡقَدِنَاۜ ''کہیں گے ہم پر افسوس! ہمیں کس نے ہماری خوابگاہوں سے اٹھایا (جگا دیا)''۔''مَرۡقَدِ'' (سونے کی جگہ) کا مادہ 'ر ق د' ہے جس کے معنی سونا ہیں۔

وَتَحۡسَبُهُمۡ أَیۡقَاظًا وَهُمۡ رُقُودٌۚ ''اور دیکھنے پر کوئی انہیں جاگا ہوا خیال کرتا جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے'' (حوالہ الکہف۔۱۸)

انسان نیند سے بیدار ہوکر جیسے انسانوں میں واپس گھل مل جاتا ہے، جمع ہوجاتا ہے ویسے ہی ایک دن (یوم بعث) جس میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ ان الگ، علیحدہ ہونے والوں کو ''جمع۔اکٹھا'' کردے گا۔

يَتَوَفَّىٰكُم اور يُمِيتُكُمْ یعنی وفات اور موت کے معنی ومفہوم میں واضح فرق ہے۔لفظ يَتَوَفَّىٰكُم کا مادہ ''و۔ف۔ی''
ہے۔لغت میں اس کے بنیادی معنی اس چیز اور بات کے ہیں جو مکمل ہوگئی، پوری ہوگئی۔انسان وعدہ نبھادے تو اپنی کہی ہوئی بات کو مکمل کر
دیتا ہے اور یہ وفا شعاری ہے۔قرآنِ مجید میں اول مرتبہ اس مادہ سے بنا ہوا لفظ وعدہ وفا کرنے کے معنوں میں آیا ہے ''أَوْفُواْ بِعَهْدِىٓ
میرے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرو۔أُوفِ بِعَهْدِكُمْ تا کہ میں تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ وفا کروں'' (حوالہ البقرۃ۔۴۰) متقین کی ایک صفت
یہ ہے کہ جب عہد کرتے تو ''وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ اور اپنے وعدے وفا، پورے کرتے ہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۱۷۷)۔امانت اور ادھار
لوٹانا عہد کو پورا یعنی مکمل کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کن کو پسند کرتا ہے؟ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ جس نے اپنے وعدے کو پورا کیا، جو اپنے قول پر
پورا اترا'' (حوالہ آلِ عمران۔۷۶)۔ایمان والوں کو کہا ''أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ اپنے عہد و پیمان پورے کرو'' (حوالہ المائدہ۔۱)

وَبِعَهْدِ ٱللَّهِ أَوْفُواْ ''اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو'' (حوالہ الانعام۔۱۵۲)

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ مِنَ ٱللَّهِ ''اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے؟'' (حوالہ التوبہ۔۱۱۱)

یارب! کوئی نہیں۔دانا و بینا لوگوں کے متعلق بتایا ٱلَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ ٱلْمِيثَـٰقَ ﴿٢٠﴾

''وہ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے کئے ہوئے میثاق (اقرار، پکا باندھا ہوا عہد) میں کمی نہیں کرتے'' (الرعد۔۲۰)

''يُوفُونَ'' مکمل اور پورا کرنا ہے جس میں کمی کا عنصر اور پہلو نہیں ہوتا۔اس کے بالمقابل ''يَنقُضُونَ'' مادہ ''ن ق ض'' اور معنی
ڈھا دینا، توڑ دینا، ٹکڑے کرنا ہیں۔اور سورۃ النحل کی آیت ۹۱ کی ابتدا میں فرمایا

وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ ٱللَّهِ إِذَا عَـٰهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُواْ ٱلْأَيْمَـٰنَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا

''اور جب تم آپس میں عہد باندھو تو اللہ کے اس عہد کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد ان کی تنقیض نہ کرو''۔

''تناقض'' توافق کی ضد ہے۔ایک دوسرے کی مخالفت یعنی جس میں ایک بات دوسری بات کو توڑ رہی ہو۔عہد شکنی، توڑ دینا، کھول دینا۔
اس بات کی اہمیت اور الفاظ کے معنی اور مفہوم کو مثال سے واضح فرمایا

وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّتِى نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنۢ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَـٰثًا (حوالہ النحل۔۹۲)

''اور اس عورت کی مانند نہ ہو جاؤ جس نے محنت سے اپنے کاتے اور مضبوط بنائے ہوئے سوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر (ادھیڑ) دیا تھا''

''وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ اور اپنے عہد کی پابندی کرو، پورا کرو، وفا کرو''۔اور وجہ بتائی

إِنَّ ٱلْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔولًا ''بیشک عہد کی پوچھ اور جواب دہی ہوگی'' (حوالہ الاسراء۔۳۴)۔

''وَلْيُوفُواْ نُذُورَهُمْ اوراپنی نذریں (منتیں) پوری کریں'' (حوالہ الحج۔۲۹)

''يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وہ نذریں پوری کرتے ہیں'' (حوالہ الانسان۔۷)

تُوَفَّىٰ اور الْمَوْتَ کا فرق سمجھنے کیلئے اس حکم پر غور کرتے ہیں:

فَأَمْسِكُوهُنَّ فِى ٱلْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّىٰهُنَّ ٱلْمَوْتُ

''پھر انہیں گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کے الْمَوْتَ انہیں تُوَفَّىٰ کرے'' (حوالہ النساء۔۱۵)

اس حکم کا مروجہ ترجمہ یوں ہے: [ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔سعودی عرب۔''تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے''

[ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی۔تفسیر مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کنز الایمان فی ترجمة القرآن ۔''تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت انہیں اٹھالے'']

Yusuf Ali: confine them to houses until **death do claim them**

Pickthall: then confine them to the houses **until death take them**

M. Asad: confine the guilty women to their houses **until death takes them away**

قرآنِ مجید میں الْـمَوْتَ شاید ایک سو پینسٹھ مرتبہ آیا ہے لیکن کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ موت لوگوں کی عمر کو پورا کر دیتی ہے اور نہ ہی یہ کہا گیا ہے کہ موت لوگوں کو اٹھالے جاتی ہے۔ موت پیچھا کرتی ہے

أَيْنَمَا تَكُونُواْ يُدْرِككُّمُ ٱلْمَوْتُ

''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہارا پیچھا کرتے ہوئے جا پکڑے گی'' (حوالہ النساء۔۷۸)۔

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ ''بعد ازاں اسے موت نے آن لیا'' (حوالہ النساء۔۱۰۰)۔

يُدْرِكْهُ کا مادہ ''درک'' ہے اور اس کے معنی کسی کا پیچھا کر کے اسے جا ملنا ہے، اس تک پہنچ جانا، اسے جا پکڑنا ۔أَمْسِكُوهُنَّ کے معنی ہیں ''انہیں روک لو'' اور اس کے الٹ، بالمقابل سَـرِّحُوهُـنَّ ہے۔جس کے معنی ''انہیں رخصت کر دو، الگ کر دو'' ہیں۔اور اس کے بالمقابل فَـارِقُوهُنَّ ہے۔جس کے معنی ''انہیں جدا کر دو، الگ کر دو، رخصت کر دو'' ہیں۔اور اسی کے بالمقابل يَتَـوَفَّـهُـنَّ الْمَوْت

ہے جس کے واضح معنی یہ ہیں ''موت انہیں الگ کر دے، رخصت کر دے، جدا کر دے''۔ موت عمر کو پورا نہیں کرتی بلکہ انسان کی ''قَضَىٰٓ أَجَلًا ''یعنی مقررہ عمر پوری ہونے پر موت پیچھا کرتے ہوئے پہنچ جاتی ہے۔اور موت انسان کو تُوَفِّیٰ یعنی الگ کر دیتی ہے۔ انسان کی تخلیق جب وہ لوگوں میں شامل ہوتا ہے،اوراس کا الگ ہونا دنیا کی حیات کی دو منتہائیں ہیں

وَٱللَّهُ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ يَتَوَفَّىٰكُمۡۚ

''اوراللہ ہی نے تم لوگوں کو پیدا کیا۔ بعدازاں وہ تمہیں الگ کرلیتا ہے'' (حوالہ النحل۔۷۰)

خطاب چونکہ تمام زندہ انسانوں سے ہے جن کے نفوس مختلف طریقوں سے دوسرے انسانوں کی معیت سے الگ ہوتے ہیں،یعنی طبعی موت،انفرادی طور پر دانستہ یا غیر دانستہ قتل ہوجانے کی وجہ سے یا اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی بناء پر زندہ رہتے ہوئے،اس لئے اردو زبان میں موت کے مفہوم میں ''وفات ''استعمال نہیں ہوا۔ قرآنِ مجید میں موت کے معنی میں تُوَفَّیٰ استعمال نہیں ہوا۔

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِ كِتَٰبًا مُّؤَجَّلًاۗ

''اور کسی نفس کیلئے ممکن نہیں کہ مر جائے سوائے اللہ تعالیٰ کے اذن کے کہ یہ لکھت ہے مقررہ وقت کی'' (حوالہ آلِ عمران۔۱۴۵)۔

موت زندگی کے دن پورے نہیں کرتی بلکہ زندگی کے دن پورے ہونے پر موت اس شخص کا پیچھا کرتے ہوئے پہنچ جاتی ہے۔زندگی، ''قَضَىٰٓ أَجَلًا'' کی ساعتیں پوری ہونے سے نہ ایک ساعت قبل موت واقع ہوتی ہے اور نہ ایک ساعت بعد میں۔اور مادہ ''و۔ف۔ی'' کے بنیادی معنی اس چیز اور بات کے ہیں جو مکمل ہوگئی،پوری ہوگئی،وفا کر دینا،(قَضَیٰ) قضا کرنا یعنی اس جہت میں لے جانا جس طرف اسے جانا چاہئے تاکہ مکمل ہوجائے۔

ہمارے نفوس کا نیند کے دوران راتوں میں (تَوَفَّیٰ) الگ کیا جانا اور جن کا دوران نیند موت کا وقت نہیں آیا بعدازاں نیند اُن نفوس کو واپس بھیجنے کا سلسلہ اس مئوخر کئے ہوئے متعین وقت تک کیلئے جاری رہے گا۔انسانوں کے سونے اور جاگنے کا عمل روز قیامت أَجَلٍ مُّسَمًّى تک جاری رہنا ہے۔اور پھر اس وقت ثُمَّ إِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ ''بعدازاں تمہارا اللہ کی طرف لوٹایا جانا ہے'' اور پھر باری آنے پر مقررہ ساعت پر ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ٥ ''بعدازاں وہ تمہیں بتائے گا جو کام تم کیا کرتے تھے'' (حوالہ الانعام۔۶۰)۔اس دوران یوں ہوتا رہے گا

وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ''اور تمہارے اوپر نگہبان،محافظ بھیجتا ہے'' (حوالہ الانعام۔۶۱)

سورۃ الرعد کی آیت ۱۱ کی ابتدا میں بتایا:

لَهُۥ مُعَقِّبَـٰتٌ مِّنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهِۦ يَحۡفَظُونَهُۥ مِنۡ أَمۡرِ ٱللَّهِۗ

''ہر کسی کیلئے آگے اور پیچھے سے پیچھا کرنے والے فرشتے ساتھ رہتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں''۔

اور یہ محافظ کیا کچھ کرتے ہیں۔سورۃ الانفطار میں بتایا:

وَإِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحَـٰفِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامٗا كَـٰتِبِينَ ﴿١١﴾ يَعۡلَمُونَ مَا تَفۡعَلُونَ ﴿١٢﴾

''اور تم پر نگران مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو فعل تم لوگ کرتے ہو'' (الانفطار-۱۰-۱۲)

اور الطارق کی آیت ۴ میں بھی بتایا

إِن كُلُّ نَفۡسٖ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٞ ﴿٤﴾ '' کوئی نفس ایسا نہیں جس پر ایک نگہبان، محافظ مقرر نہ ہو''۔

یہ محافظ ہر لمحے کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں

إِنَّ رُسُلَنَا يَكۡتُبُونَ مَا تَمۡكُرُونَ ٥

''بیشک ہمارے فرستادہ، بھیجے ہوئے فرشتے تمہاری چالوں، فریبوں کو لکھ رہے ہیں'' (حوالہ یونس-۲۱)

بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُونَ

''(کیوں نہیں ہم ان کی خفیہ بات اور سرگوشی کو سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے جو ان کے پاس ہیں لکھتے جاتے ہیں'' (حوالہ الزخرف-۸۰)

اور سورۃ قٓ کی آیت ۱۷-۱۸ میں بتایا:

إِذۡ يَتَلَقَّى ٱلۡمُتَلَقِّيَانِ عَنِ ٱلۡيَمِينِ وَعَنِ ٱلشِّمَالِ قَعِيدٞ ﴿١٧﴾

''جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں بیٹھا۔

مَّا يَلۡفِظُ مِن قَوۡلٍ إِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيبٌ عَتِيدٞ ﴿١٨﴾

انسان کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا (پھینکتا) کہ (اسے لکھنے کیلئے) اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو'' (قٓ-۱۸)۔

یہ انتہائی اہم اور ریکارڈ سے نتائج کے مرتب ہونے کے حوالے سے اہمیت کی حامل بات ہے اس لئے مناسب ہے کہ یہاں کچھ دیر رک کر اپنے متعلق سوچیں کہ زندگی میں ہم کیا کچھ کہتے رہے ہیں چاہے دوسروں کو کیا گیا وعظ ہی کیوں نہ ہو۔کیا ہمارے ہونٹوں اور زبان نے ہمارے آقا، آقائے نامدار ﷺ کی پیروی کی ہے ؟ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ ''اور نہ وہ اپنی خواہش سے لوگوں سے باتیں بیان کرتے ہیں إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ بیشک یہ ایک وحی ہے جو کی جاتی ہے'' (سورۃ النجم-۳-۴)۔

انسان اپنے بارے میں یہ بات خود کہے تو ماننے میں کوئی پس وپیش کر سکتا ہے۔ اللہ کے فرمان اور گواہی سے انکار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسولوں کے متعلق زبان سے کوئی بات ادا کرنے سے قبل اس بات کی تصدیق اور یقین ہونا چاہئے کہ یہ بات نازل کردہ کتاب میں درج ہے یا علم کے آثار میں سے ہے وگرنہ غلط بیانی ہمارے ہی کھاتے، کتاب میں لکھی جائے گی۔ ''اللہ بہتر جانتا ہے'' کہہ دینے سے ہمارا بیان تحریر میں سے حذف نہیں ہو جاتا۔

وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً

''اور تمہارے اوپر نگہبان، محافظ بھیجتا ہے'' (حوالہ الانعام۔۶۱)۔

اس کام میں وہ کب تک مصروف رہتے ہیں؟

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ ٱلۡمَوۡتُ ''یہاں تک کہ جب تم لوگوں میں سے کسی ایک کی موت کا وقت آن پہنچا ہو''۔

إِذَا ظرف زمان ہے زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور زمانہ ماضی کیلئے بھی آتا ہے۔ شرط کے مفہوم کے ساتھ 'جب'، ''اس وقت'' کے معنوں میں زمانہ ماضی اور مستقبل دونوں کیلئے آتا ہے۔ جَآءَ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کے معنی آنے کے ہیں۔ موت کا وقت آنے پر محافظ کیا کرتے ہیں؟ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُونَ ''تو اس نفس کو ہمارے بھیجے ہوئے الگ کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے'' (حوالہ الانعام۔۶۱)۔ اور پھر ان محافظوں اور کاتبوں کا کام بھی اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ رُدُّوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ مَوۡلَىٰهُمُ ٱلۡحَقِّۚ ''بعد ازاں وہ اپنے سچے پروردگار اللہ کی طرف پھیرے گئے'' (حوالہ الانعام۔۶۲)

آیت مبارکہ میں رُدُّوٓاْ کا مرجع بعض نے فرشتوں کو قرار دیا ہے اور بعض نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو بتایا ہے یعنی سب لوگ حشر کے بعد اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے۔ رُدُّوٓاْ کا مرجع تمام لوگوں کو قرار دینے والوں کی رائے کی وجہ سورۃ یونس کی آیت ۲۸۔۳۰ ہو سکتی ہے جس میں یوم قیامت تمام لوگوں کو اکٹھا (حشر) کرنے کے ذکر کے بعد بتایا:

هُنَالِكَ تَبۡلُواْ كُلُّ نَفۡسٖ مَّآ أَسۡلَفَتۡۚ وَرُدُّوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ مَوۡلَىٰهُمُ ٱلۡحَقِّۖ ''وہاں ہر شخص جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجا ہوگا اور انہیں اپنے سچے پروردگار کی طرف پھیر دیا جائے گا''۔ لیکن زیر مطالعہ آیت میں رُدُّوٓاْ کا مرجع فرشتے ہی دکھائی دیتے ہیں کیونکہ موت کے بعد انسان اللہ کی طرف نہیں پھیرے جاتے بلکہ أَجَلٖ مُّسَمًّى تک انہیں مردہ رہنا ہے۔ اور اس کے بعد انہیں اکٹھا کیا جانا ہے۔ اور پھر اس کے بعد ہر گروہ، نسل، امت کی باری آنے پر انہیں اللہ کی طرف پھیرا جانا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے

کہ رُدُّوٓا۟ جمع مذکر غائب ہے اور رُسل بھی جمع ہے جبکہ موت کا ذکر ایک انسان کے حوالے سے ہے۔

وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ ٱلۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا

''اور تمہارے اوپر نگہبان، محافظ بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم لوگوں میں سے کسی ایک کی موت کا وقت آ جائے تو اس نفس کو ہمارے بھیجے ہوئے الگ کر لیتے ہیں''۔

اس اطلاع کے ضمن میں ایک بحث یہ بھی ہے [''موت کے وقت وفات دینے کے حوالے سے جمع کا صیغہ ''رُسُلنَا'' استعمال ہوا ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جان لینے والا فرشتہ ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآنِ مجید میں ''روح قبض'' کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے جیسے سورۃ الزمر کی آیت ۴۲ کی ابتدا میں بتایا 'اللہ تعالیٰ موت کے وقت يَتَوَفَّى الۡأَنفُسَ کرتے ہیں''۔ اور اس کی نسبت ایک فرشتے ''ملک الموت'' کی طرف بھی کی گئی ہے۔ اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جیسے زیرِ مطالعہ آیت اور سورۃ النساء کی آیت ۹۷ اور سورۃ الانعام کی آیت ۹۳ میں بھی ہے۔ اس لئے اس کی نسبت اللہ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل حکم دینے والا ہے۔ متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ملک الموت کے مددگار ہیں، وہ رگوں، شریانوں، پٹھوں سے روح نکالنے اور اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے کاٹنے کا کام کرتے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ پھر آخر میں وہ روح قبض کر کے آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے''] [حوالہ تدبر قرآن۔ مولانا امین احسن اصلاحی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

اس اہم بحث اور نکتے کو سمجھنے کیلئے قرآنِ مجید کے بیان کو دیکھتے ہیں

وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ''اور تم لوگوں پر نگہبانوں، محافظوں کو بھیجتا ہے''۔

عَلَيۡكُمۡ ۔ كُمۡ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور۔ معنی تم لوگوں پر، تمہارے اوپر۔ حَفَظَةً جمع ہے حَافِظٌ کی جس کے معنی نگہبان، حفاظت کرنے والا ہے۔ إِن كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ ''کوئی نفس ایسا نہیں جس پر ایک نگہبان مقرر نہ ہو'' (الطارق۔۴) ایک نفس کیلئے حَافِظٌ ہے۔ اس لئے جتنے نفس ہوں گے اُتنے حَفَظَةً محافظ ہوں گے۔ جو آپ کا حَافِظٌ ہے وہ میرا حَافِظٌ نہیں اور اسی طرح میرا حَافِظٌ آپ کی حفاظت پر معمور نہیں۔ جب میری موت کا وقت آئے گا تو الگ کرنے (وفات) کا فریضہ مجھ پر معمور حَافِظٌ ہی سرانجام دے گا اور قطعی کوئی کوتاہی نہیں کرے گا۔ اور جب مجھ سے فارغ ہو جائے گا تو لوٹ جائے گا لیکن کتاب میں

درج کرتا رہے گا جو زمین میری ''میت'' میں سے کم کرتی رہے گی اور پھر روز قیامت مجھے الگ کرے گا۔ میرے اپنے تو میرے جسد کو قبر میں ڈال کر فارغ ہو جائیں گے کہ انہوں نے آئے ہوئے مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنا ہو گا لیکن حقیقت میں جو میرا اپنا ہے وہ میری میت کا بھی خیال رکھے گا۔

ملک الموت کوئی ایک مخصوص فرشتہ نہیں بلکہ انسانوں کی حفاظت پر متعین ہر ایک کا ''حَـافِظ'' ہی انہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی الگ کرنے کا فعل انجام دیتے ہیں۔

قُلْ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ ٱلْمَوْتِ ٱلَّذِى وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾ (سورۃ السجدہ۔۱۱)

مروجہ ترجمہ اور تفسیر یوں ہے [مولانا محمد جونا گڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب۔ ''کہہ دیجئے! کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔ یعنی اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت آ جائے تو وہ آ کر روح قبض کر لے]۔

آیت مبارکہ ''قُـلْ'' سے شروع ہوئی ہے۔ آقائے نامدار ﷺ سے لوگوں کے سوالوں، اعتراضات کا جواب دینے کیلئے اور انسانوں کو بعض حقیقتیں بتانے کیلئے کہا جاتا ہے کہ ''قُـلْ آپ ﷺ پوچھیں، بتائیں، کہیں، جواب دیں''۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ سے آیت مبارکہ میں فرمایا گیا کہ وہ یہ جواب دیں۔ آقائے نامدار ﷺ کی زبان مبارک سے دلوائے گئے جواب کے معنی اور مفہوم کا ادراک جبھی ہو سکے گا اگر ہم اس سوال، استفہام، گمان کو سامنے رکھیں جس کا یہ جواب اور وضاحت ہے۔

وَقَالُوٓا۟ أَءِذَا ضَلَلْنَا فِى ٱلْأَرْضِ أَءِنَّا لَفِى خَلْقٍ جَدِيدٍۭ ۚ بَلْ هُم بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كَـٰفِرُونَ ﴿١٠﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں ملیا میٹ ہو جائیں گے تو از سر نو پیدا ہوں گے!

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے جانے ہی کے انکاری ہیں'' (سورۃ السجدہ۔۱۰)۔

جن لوگوں نے یہ بات کہی اور جو آجکل بھی یہ کہتے ہیں اُن کا زندگی اور موت کے متعلق تصور اور جواب کیا ہے؟ بتایا

وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ

(کہیں) ''اور کون مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے''۔

ٱلْمُشْرِكِينَ کا جواب اور اعتراف یہ ہے فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ تو وہ کہیں گے ''اللہ'' (حوالہ یونس۔۳۱)

ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمۡ ثُمَّ رَزَقَكُمۡ ثُمَّ يُمِيتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيكُمۡ ۖ

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا بعدازاں تمہیں رزق دیا، (زندگی کی مدت پوری ہونے پر) بعدازاں تمہیں موت دے گا،

بعدازاں (مقررہ ساعت پر پھر) تمہیں زندہ کرے گا۔

هَلۡ مِن شُرَكَآئِكُم مَّن يَفۡعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَىۡءٍ ۚ

کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو ان میں سے کوئی بھی کام کر سکے؟'' (حوالہ الروم۔۴۰)

وَلَا يَمۡلِكُونَ مَوۡتًا وَلَا حَيَوٰةً وَلَا نُشُورًا

(اور انہیں اِلہٰ بنالیا ہے) ''اور وہ اختیار نہیں رکھتے نہ موت نہ زندگی اور نہ پھر (زمین سے) اٹھنے کا'' (حوالہ الفرقان۔۳)

بعض لوگوں کا سوال، استفسار یہ ہے

وَقَالُوٓاْ أَءِذَا ضَلَلۡنَا فِى ٱلۡأَرۡضِ أَءِنَّا لَفِى خَلۡقٍ جَدِيدٍۭ ۚ

''اور کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں گھل مل چکے ہوں گے تو کیا ازسرِنو پیدا ہوں گے؟'' (حوالہ السجدہ۔۱۰)

جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے وہ مرنے کے قائل ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے مرنا نہیں یا یہ کہ انہیں موت نہیں آنی۔ ان کا سوال یہ نہیں ہے کہ انسانوں کو موت کون دیتا ہے۔ وہ تو بعد از مرگ زمین میں گھل مل چکنے کے بعد تخلیق جدید کے متعلق شک کا اظہار کر رہے ہیں آپ بتائیں کہ اگر آپ سے میں یہ سوال کروں ''میں جب ریزہ ریزہ ہو کر زمین میں مل چکا ہوں گا تو کیا میں ازسرِنو تخلیق ہوں گا؟'' تو کیا آپ مجھے یہ جواب دینا پسند کریں گے ''تمہیں ملک الموت فوت کرے گا''۔ آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں، مجھے معلوم ہے آپ تو کیا معمولی ذہن رکھنے والا شخص بھی مجھے یہ جواب نہیں دے گا۔ اس لئے یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ اور آقائے نامدار ﷺ نے اِس سوال کا لوگوں کو مروجہ ترجمہ وتفسیر والا جواب دیا ہو۔ لیکن اگر آپ کے جواب میں استعمال کئے گئے لفظ ''فوت'' کے غلط انداز میں اختیار کئے گئے معنی اور مفہوم کی بجائے اگر میں اس کے معنی ''الگ کرنا'' سمجھوں تو آپ کا جواب میرے سوال کے عین مطابق ہوگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب زمین میں ''ضَلَلۡنَا'' ہو چکے ہوں گے تو کیا ازسرِنو خلق جدید بنیں گے؟

''ضَلَلۡنَا'' کا مادہ 'ض ل ل' ہے۔ حیرت، متحیر ہونا، سرگرداں پھرنا۔ کسی چیز کا پوشیدہ اور غائب ہونا۔ مختلف چیزوں کا اس طرح مل جانا کہ پھر انہیں الگ الگ نہ کیا جا سکے (تاج)۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین میں غائب ہونے اور اس طرح گھل مل جانے پر جسے الگ الگ نہ کیا جا سکے وہ کیسے خلق جدید ہوں گے۔ ان کی اس بات کا جواب آقائے نامدار رسولِ کریم سے دلوایا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے متعلق کفر کرنے والے یہ بھی کہتے ہیں

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ هَلۡ نَدُلُّكُمۡ عَلَىٰ رَجُلٖ يُنَبِّئُكُمۡ إِذَا مُزِّقۡتُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمۡ لَفِي خَلۡقٖ جَدِيدٍ ﴿٧﴾

''اور کافر کہتے ہیں'' کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ دیں جو تمہیں بتائے گا

کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جاؤ گے تو تم دوبارہ تخلیق ہو گے'' (سباء۔۷) (اور پھر استفہامیہ انداز میں لوگوں کو سناتے ہیں)

أَفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِۦ جِنَّةُۢ

کیا اس نے اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑا ہے یا اسے کوئی جنون ہے؟'' (حوالہ سباء۔۸)۔

غور طلب بات ہے کہ کافروں کے اس التباس رسوال کا جو موت کے طویل عرصہ بعد مٹی میں مل جانے کے بعد اس میں سے الگ ہونے کے متعلق ہے کیا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ فلاں فرشتہ تمہیں موت دے گا؟ نہیں! آقائے نامدار ﷺ سے یہ جواب دلوایا

قُلۡ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ ٱلۡمَوۡتِ ٱلَّذِي وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُونَ ﴿١١﴾

''آپ (ﷺ) فرمائیں'' تمہیں (''ضَلَلۡنَا'' حالت سے) الگ کرے گا ملک الموت جو ایک تمہارے ساتھ محافظ تھا۔

بعد ازاں تم اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے'' (سورۃ السجدہ۔۱۱)۔

وُكِّلَ کا مادہ ''وک ل'' ہے۔ اور معنی کسی کے سپرد کرنا۔ ایسا شخص جو کسی دوسرے آدمی کے کام کی نگرانی اور دیکھ بھال کرے۔ نیز یہ کفیل کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی کسی بات کا ذمہ دار۔ 'واحد مذکر غائب ماضی مجہول' ''ذمہ دار بنایا گیا تھا'' اور إِن كُلُّ نَفۡسٖ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٞ ﴿٤﴾

'' کوئی نفس ایسا نہیں جس پر نگہبان مقرر نہ ہو'' (الطارق۔۴)۔ سورۃ قٓ کی آیت ۳۔۴ سے بات واضح ہے

أَءِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابٗاۖ ذَٰلِكَ رَجۡعُۢ بَعِيدٞ ﴿٣﴾

''یہ عجیب بات ہے! کیا جب ہم مر کے مٹی ہو چکے ہوں گے (تو ہماری واپسی ہو گی)؟ یہ واپسی تو بہت دور ہے!'' معاملے کی حقیقت بتائی:

قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنقُصُ ٱلۡأَرۡضُ مِنۡهُمۡۖ وَعِندَنَا كِتَٰبٌ حَفِيظُۢ ﴿٤﴾

''ہم پہلے سے جانتے ہیں جو کچھ زمین ان مُردوں میں سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (ریکارڈ) کتاب میں محفوظ ہے''۔

اس طرح واضح ہوا کہ بعض انسانوں کا ''ضَلَلۡنَا'' کا تصور صحیح نہیں کہ انسان مرنے کے بعد زمین میں یوں گھل مل جاتا ہے کہ پھر اسے الگ کیا ہی نہ جا سکے۔ انسان مٹی نہیں ہو جاتا بلکہ زمین بتدریج اس میں سے کم کرتی ہے۔

یہ یاد رہے کہ قرآنِ مجید نے انسان کی تخلیق سے لے کر اللہ تعالیٰ کی جانب لوٹائے جانے کے مدارج واضح کئے ہیں۔

كَيۡفَ تَكۡفُرُونَ بِٱللَّهِ وَكُنتُمۡ أَمۡوَٰتٗا فَأَحۡيَٰكُمۡۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيكُمۡ ثُمَّ إِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ ﴿٢٨﴾

''اللہ کا تم انکار کر کیسے سکتے ہو جبکہ تم لوگ بے جان، مردہ شئے (matter) تھے تو اس نے تمہیں زندگی بخشی۔

بعدازاں اجل پوری ہونے پر تمہیں موت دے گا۔ بعدازاں (مقررہ وقت پر) وہ تمہیں زندہ کرے گا۔

پھر بعدازاں (اپنی مقررہ ساعت پر) تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے'' (البقرۃ ۔۲۸)

ثُمَّ إِنَّكُم بَعۡدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿١٥﴾ ''بعدازاں زندگی کے تم مرجاؤ گے

ثُمَّ إِنَّكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ تُبۡعَثُونَ ﴿١٦﴾ بعدازاں تم روز قیامت کو اٹھائے جاؤ گے'' (المومنون ۔۱۵،۱۶)

ٱللَّهُ يَبۡدَؤُاْ ٱلۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ ثُمَّ إِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ ﴿١١﴾

''اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے بعدازاں (وقت مقرر پر) نقطہ تکمیل تک پہنچائے گا،

بعدازاں (مقررہ ساعت پر) اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے'' (الروم ۔۱۱)

زیر بحث فرمان پھر سنیں

قُلۡ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ ٱلۡمَوۡتِ ٱلَّذِي وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُونَ ﴿١١﴾

''آپ (ﷺ) فرمائیں ''تمہیں الگ کرے گا ملک الموت جو ایک تمہارے ساتھ محافظ تھا۔

بعدازاں تم اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے'' (سورۃ السجدہ ۱۱)

یہ جواب اور وضاحت اِس دنیا میں زندگی کو دی جانے والی موت کے متعلق ہے ہی نہیں۔ سوال بھی بعدازموت یوم بعث کو اٹھائے جانے کے متعلق شکوک وشبہات سے تھا۔ ہر انسان کا اپنا محافظ، وکیل، ملک الموت اس دن اسے الگ کرے گا جس کے بعد باری آنے پر اسے اپنے رب کی جانب لوٹایا جائے گا۔

اب اُن آیات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں جمع کا صیغہ استعمال ہونے کی وجہ سے ناقابل فہم عجیب سی بات کہہ دی جاتی ہے کہ ''ملک الموت ہے تو ایک ہی لیکن موت دینے اور روح نکالنے کیلئے چند دوسرے فرشتے اس کی مدد اور معاونت کرتے ہیں''۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ تَوَفَّىٰهُمُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمۡ قَالُواْ فِيمَ كُنتُمۡۖ

''بیشک جو لوگ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے فرشتوں نے انہیں الگ کیا تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں مبتلا تھے'' (حوالہ النساء ۔۹۷)

اِس میں تمام الفاظ اور ضمیریں جمع کی ہیں۔ جب ایک سے زیادہ لوگوں کی وفات کی بات ہوگی تو ظاہر ہے کہ وفات دینے والے ''ملک'' بھی ایک سے زیادہ جمع کے صیغے ہی میں ہوں گے۔ معاون اور مددگاروں کیلئے جمع کا صیغہ استعمال نہیں ہوا اور ان ظالموں کے جواب کو دلیل سے رد کر دیا گیا فَأُوْلَـٰٓئِكَ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ''اس لئے ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے'' (حوالہ النساء۔۹۷)

روز قیامت کے متعلق فرمایا

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلظَّـٰلِمُونَ فِى غَمَرَٰتِ ٱلْمَوْتِ

''اور اگر آپ ان ظالموں کو دیکھتے جب یہ موت کی بیہوشیوں میں مبتلا ہوں گے

وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓاْ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوٓاْ أَنفُسَكُمُ

اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ''اپنے نفوس باہر نکالو!

ٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ ٱلْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ

آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کرتے تھے

وَكُنتُمْ عَنْ ءَايَـٰتِهِۦ تَسْتَكْبِرُونَ ۝

اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے'' (سورۃ الانعام۔۹۳)۔

پہلا اور دوسرا صور پھونکا جانا دونوں ایک ہی دن، یوم قیامت کی بات ہے۔

غَمَرَاتِ الْمَوْتِ میں لفظ غَمَرَٰتِ کا مادہ ''غ م ر'' ہے جس کے بنیادی معنی اس چیز کے ہوتے ہیں جو کسی چیز پر چھا جائے اور اسے ڈھانپ لے (محیط)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس چھپانے میں قدرے سختی اور شدت کا پہلو ہونا ضروری ہے۔ شدائد اور سختیاں (راغب)۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۹ میں جان کنی کی کیفیت کیلئے یہ کہا يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ ٱلْمَوْتِ اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو يُغْشَىٰ مادہ ''غ ش ی'' جس کے معنی کسی چیز کو ڈھانپ لینا یا اس پر چھا جانا ہیں۔ غشاوۃ اس پردے کو کہتے ہیں جو کسی کو ڈھانپ دے اور اس پر چھا جائے۔ اس نکتے پر مطالعہ کی ضرورت ہے کہ آیت مبارکہ میں ظالموں کی انفرادی موت کا ذکر ہے یا روز قیامت کی بات ہو رہی ہے؟ روز قیامت پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے پر یہ ہوگا

وَنُفِخَ فِى ٱلصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ (حوالہ الزمر۔۶۸)

''اور جس دن صور پھونک دیا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے غش کھا جائیں گے'' (سوائے اس کے جسے اللہ چاہے)۔

فَصَعِقَ مادہ ''ص ع ق' بیہوش ہوکر گر جانے کو بھی کہتے ہیں اور عقل وخرد کے جاتے رہنے کو بھی (تاج ومحیط)۔روز قیامت کی ہولنا کی بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ لوگ اس کیفیت میں ہوں گے جیسے نشے میں بیگانہ ہوں حالانکہ انہوں نے نشہ نہیں کیا ہوگا۔اس جگہ اس لفظ سے اس ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے جو انتہائی خوف اور گھبراہٹ میں اوسان کھودینے پر پیش آتی ہے۔ اس دن لوگوں کی کیفیت ایسے ہوگی جیسے نشے میں مدہوش عقل وخرد سے بیگانہ ہوش وحواس کھو چکے ہوں اگر چہ انہوں نے نشہ آور شئے استعمال نہیں کی ہوگی

وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَـٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَـٰرَىٰ

''اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا حالانکہ انہوں نے نشہ نہیں کیا ہوگا'' (حوالہ الحج۔۲)۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ ٱلْمَوْتِ بِٱلْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾

''اور اوسان کھودینے والی موت کا وقت آن پہنچا۔ یہ ہے وہ جس سے تو بدکتا تھا''۔(سورۃ ق۔۱۹)

اس مطالعہ سے واضح ہوا کہ روز قیامت پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے پر ہولناک ماحول پیدا ہوگا تو لوگ انتہائی خوف کی حالت میں اوسان کھودیں گے اور غَمَرَاتِ الْمَوْتِ میں ہوں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ اس سے محفوظ رکھنا چاہے گا

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلظَّـٰلِمُونَ فِى غَمَرَٰتِ ٱلْمَوْتِ

''اور اگر آپ ان ظالموں کو دیکھتے جب یہ موت کی بیہوشیوں میں مبتلا ہوں گے'' (حوالہ الانعام۔۹۳)

وَيَوْمَ يُنفَخُ فِى ٱلصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ

''اور جس دن صور پھونک دیا جائے گا تو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین پر سب دہشت زدہ ہو جائیں گے

إِلَّا مَن شَآءَ ٱللَّهُ سوائے اس کے جسے اللہ چاہے' (حوالہ النمل۔۸۷)۔

اور فرشتے کہیں گے ''اپنی جانیں باہر نکالو! آج تم لوگوں کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ کے متعلق خلاف حق باتیں کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے''۔

سورۃ الاعراف کی آیات ۳۵-۵۲ میں یوم قیامت میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات اور باتیں بیان ہوئی ہیں۔آیت ۳۷ میں بتایا گیا

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِـَٔايَـٰتِهِۦٓ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ ٱلْكِتَـٰبِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوٓا۟ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ۖ قَالُوا۟ ضَلُّوا۟ عَنَّا وَشَهِدُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا۟ كَـٰفِرِينَ ﴿٣٧﴾

''ہاں! اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ کے حوالے سے جھوٹ گھڑا یا اس کی آیتوں کو جھٹلا دیا؟ یہ ہیں وہ لوگ جنہیں لکھت میں سے حصہ ملتا رہے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے انہیں الگ کرنے آئیں گے تو پوچھیں گے ''وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کا پکارا کرتے تھے؟''۔ وہ کہیں گے ''وہ ہم سے گم ہوگئے ہیں''اور اپنے بارے میں گواہی دیں گے کہ بیشک وہ کافر تھے''۔

سورۃ الاعراف کی آیات ۳۵-۵۲ کے سیاق وسباق کے علاوہ گفتگو کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ باتیں 'دنیا میں موت'' کے وقت کی نہیں ہیں۔ صنم خانے میں مرنے والوں کے بت کہیں گم نہیں ہوا کرتے بلکہ اس وقت ان کے پاس ہی ہوتے ہیں۔ یہ باتیں تو اس وقت ہوں گی جب فرشتے انہیں دوزخ میں لے جانے کیلئے الگ کرنے (يَتَوَفَّوْنَهُمْ) آئیں گے۔ دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد 'وفات بمعنی موت'' نام کی کوئی چیز نہیں۔ قرآنِ مجید نے غیر مبہم انداز میں بتایا ہوا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا سوال یوم قیامت کو مشرکین سے پوچھا جائے گا۔ کفار سے پوچھا گیا سوال 'وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کا پکارا کرتے تھے؟'' سورۃ الانعام کی آیت ۲۲، سورۃ النحل کی ۲۷، القصص کی ۶۲ اور ۷۴، سورۃ غافر کی ۷۳ اور سورۃ فصلت کی آیت ۴۷ میں بھی بیان ہوا ہے اور ان تمام مقامات پر گفتگو قیامت کے دن کی ہے۔

أُو۟لَـٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ ٱلْكِتَـٰبِ ۖ

''یہ ہیں وہ لوگ جنہیں لکھت میں سے حصہ ملتا رہے گا (اس وقت تک)''

سورۃ النحل میں بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کو یوم قیامت اپنے بوجھ کو پورا اٹھانے کے علاوہ اُن کا کچھ بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا جن بغیر علم کے لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا تھا

لِيَحْمِلُوٓا۟ أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ ٱلَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ

''تاکہ روز قیامت پورے طور پر اپنے بوجھ اٹھائیں اور ان بغیر علم کے لوگوں کے کچھ بوجھ بھی جنہیں وہ گمراہ کر دیتے ہیں'' (حوالہ النحل ۲۵)

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّبِعُواْ سَبِيلَنَا وَلۡنَحۡمِلۡ خَطَـٰيَـٰكُمۡ

''اور کفر کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں'' ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھائیں گے (نتیجے کی ذمہ داری ہماری ہوگی)''۔ جھوٹے کیلئے جھوٹے وعدے کوئی بوجھ نہیں

وَمَا هُم بِحَـٰمِلِينَ مِنۡ خَطَـٰيَـٰهُم مِّن شَىۡءٍۖ إِنَّهُمۡ لَكَـٰذِبُونَ ۝

'' مگر وہ ان کے قصوروں میں سے کچھ اٹھانے والے نہیں۔ وہ یقیناً جھوٹے ہیں'' (سورۃ العنکبوت۔۱۲)۔

دوسروں کو گمراہ کرنے کیلئے جھوٹے سہارے دیتے ہیں لیکن یوں بھگتیں گے

وَلَيَحۡمِلُنَّ أَثۡقَالَهُمۡ وَأَثۡقَالًا مَّعَ أَثۡقَالِهِمۡۖ

'' مگر وہ اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی'' (العنکبوت آیت ۱۳ کا ابتدائی بیان)۔

إِنَّا نَحۡنُ نُحۡىِ ٱلۡمَوۡتَىٰ وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُواْ وَءَاثَـٰرَهُمۡۚ (حوالہ یٰس۔۱۲)

''ہم (روز قیامت) مردوں کو زندہ کریں گے۔ اور ہم اسے لکھتے ہیں جو انہوں نے (زندگی میں) آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑ آتے ہیں''

أُوْلَـٰٓئِكَ يَنَالُهُمۡ نَصِيبُهُم مِّنَ ٱلۡكِتَـٰبِۖ

'' یہ ہیں وہ لوگ جنہیں لکھت میں سے حصہ ملتا رہے گا (اس وقت تک)'' کب تک ملتا رہے گا؟

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ''حتی کہ (روز قیامت) ہمارے فرشتے انہیں الگ کرنے آئیں گے''

یہاں دنیا میں پہلی مرتبہ آنے والی موت یا الگ کیے جانے 'وفات' کا ذکر نہیں ہو رہا۔ اگر اس جملے کے معنی اور مفہوم دنیا کی وفات لیا جائے تو یہ مفہوم پہلے جملے میں بتائی ہوئی حقیقت کی نفی کر دیتا ہے۔ مرتے وقت تک کے اعمال تو وہ ہیں وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُواْ ''اور ہم لکھتے ہیں جو تم نے آگے بھیجے''۔ جب کہ مجرمین کو اس لکھت کا حصہ موت کے بعد بھی ملتے رہنا ہے

وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُواْ وَءَاثَـٰرَهُمۡۚ ''اور ہم اسے لکھتے ہیں جو انہوں نے (زندگی میں یعنی موت کے وقت تک) آگے بھیجا اور جو آثار پیچھے چھوڑ آتے ہیں'' (حوالہ یٰس۔۱۲)

روز قیامت فرشتے انہیں الگ کرنے کیلئے آنے پر یہ پوچھتے ہیں

قَالُوٓاْ أَيۡنَ مَا كُنتُمۡ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِۖ کہیں گے ''وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے؟''۔

فرشتے مجرمین سے یہ بات روز قیامت پوچھتے ہیں دنیا میں ''وفات'' (موت) کے وقت نہیں۔ بتایا

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ أَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾

''اور جس دن ہم اُن سب کو اکٹھا کریں گے اور مشرکوں سے پوچھیں گے

کہ اب تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کرتے تھے'' (الانعام۔۲۲)۔ اور یوم حشر ہی یوم قیامت ہے۔ بتایا

ثُمَّ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِىَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تُشَٰٓقُّونَ فِيهِمْ

''بعد ازاں یوم قیامت کو اللہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا'' کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کیلئے تم جھگڑتے، الگ ہوئے تھے؟''

(حوالہ النحل۔۲۷) سورۃ الشعراء میں یہ بتانے کے بعد کہ دنیا میں بہکنے والوں کے سامنے دوزخ کی جائے گی فرمایا کہ ان سے پوچھا جائے گا:

وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ ٱللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾

''اور ان سے کہا جائے گا'' کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے۔ کیا وہ تمہیں مدد دے سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟''

(الشعراء۔۹۲۔۹۳)

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِىَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِىَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾

''اور جس دن وہ انہیں آواز دے گا تو کہے گا'' کہاں ہیں میرے وہ شریک جن پر تم اعتماد رکھتے تھے؟'' (القصص ایک جیسی۔۶۲ اور ۷۴)

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِن دُونِ ٱللَّهِ

''بعد ازاں ان سے کہا جائے گا'' کہاں ہیں وہ جنہیں اللہ کو چھوڑ کر تم شریک کرتے تھے؟'' (غافر۔۷۳ اور ۷۴ کی ابتدا)۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَآءِى ''اور جس دن انہیں آواز دے گا'' کہاں ہیں میرے شریک؟'' (حوالہ فصلت۔۴۷)۔

قرآنِ مجید کی ان آیات کے مطالعہ سے بھی غیر مبہم انداز میں واضح ہے کہ فرشتے مجرمین کو الگ کرتے ہوئے یہ بات یوم قیامت پوچھتے ہیں دنیا میں ''وفات'' کے وقت نہیں

قَالُوٓا۟ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ''وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے؟''

مجرمین کے جواب سے بھی واضح ہے کہ یہ گفتگو روز قیامت کی ہے دنیا میں وفات کے وقت کی نہیں قَالُوا۟ ضَلُّوا۟ عَنَّا وہ کہیں گے 'وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں'۔ جن کی وفات بت کدوں اور پرستش گاہوں میں ہوتی ہے ان کے 'معبود' ان کے پاس ہوتے ہیں

کہیں گم نہیں ہوتے۔ سورۃ غافر کی آیت ۷۴ میں بھی ان کا جواب اور اعتراف یہ ہے

قَالُواْ ضَلُّواْ عَنَّا بَل لَّمۡ نَكُن نَّدۡعُواْ مِن قَبۡلُ شَيۡـًٔاۚ ''وہ کہیں گے ''وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں۔ نہیں! بلکہ ہم پہلے جنہیں پکارتے تھے وہ (درحقیقت) کوئی شئے نہ تھے''۔ اور فصلت کی آیت ۴۸ میں بھی یہی بتایا گیا ہے

وَضَلَّ عَنۡهُم مَّا كَانُواْ يَدۡعُونَ مِن قَبۡلُۖ ''اور ان سے وہ گم ہو جائیں گے جنہیں پہلے پکارا کرتے تھے''

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ قَالُوٓاْ أَيۡنَ مَا كُنتُمۡ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِۖ

''یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے انہیں الگ کرنے آئیں گے تو پوچھیں گے

''وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کا پکارا کرتے تھے؟'' (حوالہ الاعراف۔۳۷)۔

فرشتے یہ کام اس حکم کی تعمیل میں کریں گے

ٱحۡشُرُواْ ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ وَأَزۡوَٰجَهُمۡ وَمَا كَانُواْ يَعۡبُدُونَ ﴿٢٢﴾

''اکٹھا کرو، ظالموں اور ان کی بیویوں کو اور ان کو جن کی وہ پیروی، اطاعت (غلامی) کرتے تھے مِن دُونِ ٱللَّهِ اللہ کے سوا۔

فَٱهۡدُوهُمۡ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلۡجَحِيمِ ۝ اس لئے انہیں دوزخ کی راہ پر ڈال دو'' (سورۃ الصافات۔۲۲۔۲۳)

یوم قیامت لوگوں کو الگ الگ کیا جانا ہے۔ مجرمین کو الگ اور دوزخ کی طرف کیسے لے جایا جائے گا؟ اس کے متعلق بتایا:

وَلَوۡ تَرَىٰٓ إِذۡ يَتَوَفَّى ٱلَّذِينَ كَفَرُواْۙ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُونَ وُجُوهَهُمۡ وَأَدۡبَٰرَهُمۡ وَذُوقُواْ عَذَابَ ٱلۡحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ أَيۡدِيكُمۡ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَيۡسَ بِظَلَّٰمٍ لِّلۡعَبِيدِ ﴿٥١﴾

''اور کاش تو دیکھے جب فرشتے ان کافروں کو ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوئے الگ کریں گے اور (کہیں گے) جلانے والے عذاب کا مزا چکھو۔ یہ اس کے سبب ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں'' (الانفال۔۵۰۔۵۱)

فَكَيۡفَ إِذَا تَوَفَّتۡهُمُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُونَ وُجُوهَهُمۡ وَأَدۡبَٰرَهُمۡ ﴿٢٧﴾

'' مگر اس وقت کیا بنے گا جب فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں الگ کریں گے؟

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ ٱتَّبَعُواْ مَآ أَسۡخَطَ ٱللَّهَ وَكَرِهُواْ رِضۡوَٰنَهُۥ فَأَحۡبَطَ أَعۡمَٰلَهُمۡ ﴿٢٨﴾

یہ اس لئے کہ وہ اس بات پر چلے جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اور انہوں نے اس کی رضا کو ناپسند کیا۔

اس لئے اس نے ان کے عمل اکارت کر دیئے'' (سورۃ محمد ﷺ۔۲۷۔۲۸)

دنیا کی زندگی میں پہلی موت کے وقت فرشتے انسانوں کو مارتے نہیں۔ دنیا کی موت کا منظر تو یہ ہے

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ ٱلتَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنۡۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾

''نہیں! نہیں! جب وہ ہنسلی تک پہنچ جائے گی۔ اور کہا جائے گا '' کون ہے جھاڑ پھونک (دعا) کرنے والا؟

وَظَنَّ أَنَّهُ ٱلۡفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَٱلۡتَفَّتِ ٱلسَّاقُ بِٱلسَّاقِ ﴿٢٩﴾

اور وہ خیال کرے گا کہ یہ اس کی جدائی کا وقت ہے۔ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ گئی''۔

اور روز قیامت الگ کرنے کا منظر یہ ہے

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوۡمَئِذٍ ٱلۡمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾

''اس دن تیرے رب کے پاس (انہیں) ہانکے ہوئے جانا ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے نہ سچ کر دکھایا اور نہ نماز ادا کی'' (القیامۃ ۲۶۔۳۱)

فرشتوں نے تو مرتے وقت فرعون کی بھی پٹائی نہیں کی تھی۔

حَتَّىٰٓ إِذَآ أَدۡرَكَهُ ٱلۡغَرَقُ ''یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا

قَالَ ءَامَنتُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا ٱلَّذِىٓ ءَامَنَتۡ بِهِۦ بَنُوٓاْ إِسۡرَٰٓءِيلَ وَأَنَا۠ مِنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ٥

تو پکارا '' میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی الہٰ نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں

اور میں مسلموں میں سے ہوں' (حوالہ یونس۔۹۰)

فرعون نے سمجھنے میں بہت دیر کر دی تھی۔ بنی اسرائیل کیلئے سمندر میں راہ بنتے اور انہیں پار ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی فرعون کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں اور عقل وفہم کے دریچوں کو بند رکھتے ہوئے اپنے آپ اور لشکروں کو سمندر میں اتار دیا۔ یہ اس کا اپنا دانستہ فعل تھا ''الزام اسی پر تھا''۔ اس کی پکار کا جواب یہ تھا

ءَآلۡـَٔـٰنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنتَ مِنَ ٱلۡمُفۡسِدِينَ ﴿٩١﴾

''اب! اگر پہلے تو تو نے نافرمانی کی اور تو فسادیوں میں تھا۔

فَٱلۡيَوۡمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ ءَايَةً

اس لئے آج ہم تجھے تیرے بدن میں (باہر پھینک کر) بچا لیں گے تاکہ تو ہو ایک عبرت اس کیلئے جو تیرا جانشین ہو'' (حوالہ یونس۔۹۱،۹۲)

ہم نے اتنا طویل سفر یہ جاننے کیلئے طے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی سازش کو نا کام کرنے کیلئے بتائی گئی بہترین تدبیر میں استعمال کئے گئے لفظ مُتَوَفِّيكَ کے مادہ ''و ف ی'' کے معنی اور مفہوم کیا ہے۔ قرآنِ مجید کی ان تمام آیات کو ہم نے پڑھ لیا ہے جہاں اس مادہ سے بنے ہوئے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ہم نے دیکھ لیا کہ کسی ایک مقام پر بھی اسے ''موت'' کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا۔ اس کے ہر انداز میں استعمال کا مفہوم ''الگ کرنا'' ہی ہے۔ بتایا

فَإِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنۡهُم مُّنتَقِمُونَ ﴿٤١﴾

''لیکن اگر ہم آپ (ﷺ) کو لے جائیں تو بھی ہم ان کے جرم کی سزا دیں گے

أَوۡ نُرِيَنَّكَ ٱلَّذِي وَعَدۡنَٰهُمۡ فَإِنَّا عَلَيۡهِم مُّقۡتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾

یا ہم آپ (ﷺ) کو وہ دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اس لئے کہ ہم ان پر پوری قدرت رکھتے ہیں' (الزخرف ۴۱۔۴۲)

نَذۡهَبَنَّ کا مادہ ''ذ ہ ب'' ہے اور اس کے معنی ''لے جانا'' ہیں۔ اور ایک بندے کو دوسرے انسانوں کی معیت سے لے جانے کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی انہیں لوگوں سے الگ کر لینا، طبعی موت کا وقوع ہونا۔

آقائے نامدار ﷺ سے فرمائے گئے ان الفاظ نَذۡهَبَنَّ بِكَ کے معنی اور مفہوم یوں واضح ہیں

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ ٱلَّذِي نَعِدُهُمۡ أَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ

''اور اگر ہم آپ (ﷺ) کو وہ دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا آپ کو الگ کرلیں (وفات)'' (حوالہ یونس۔۴۶)۔

اس طرح واضح ہے کہ نَذۡهَبَنَّ بِكَ (آپ ﷺ کو لے جائیں) کے معنی اور مفہوم نَتَوَفَّيَنَّكَ ہیں یعنی آپ ﷺ کو لوگوں کے بیچ میں سے لے جائیں، لوگوں سے الگ کرلیں۔ رسولِ کریم کو لوگوں سے الگ کرنے کے بعد کیا ہوگا

ثُمَّ ٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفۡعَلُونَ ''بعد ازاں اللہ اس کا گواہ ہوگا جو وہ کرتے ہیں'' (حوالہ یونس۔۴۶)۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے وَكُنتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيدًا مَّا دُمۡتُ فِيهِمۡ ''اور جب تک میں ان کے درمیان رہا میں ان پر گواہ تھا فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيۡهِمۡ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو ہمیشہ تو ہی ان پر نگران تھا''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین تدبیر یہ بتائی تھی

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ

''میں آپ کو الگ کروں گا، اور آپ کو اپنی جانب رفعتیں دوں گا اور آپ کو دور (مطہر) کروں گا

اُن میں سے جنہوں نے انکار کیا ہے'' (حوالہ آلِ عمران۔۵۵)

آیت مبارکہ میں تین باتیں، فعل بتائے گئے ہیں

(۱) مُتَوَفِّيكَ،

(۲) رَافِعُكَ،

(۳) مُطَهِّرُكَ

اور یہ تینوں باتیں جن کے حوالے سے ہوئی ہیں مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ''ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے''۔

مکمل بات کو سننے کی بجائے بات میں استعمال کئے گئے بعض الفاظ سے ایک نئی بات کو وجود دے دیا جائے تو پھر اس بات کو چاہے جو مرضی نام دے لیں لیکن اُسے کتاب کی بات نہیں کہا جاسکتا، ماننا تو دور کی بات ہے۔ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا کو سنے بغیر اس جملے کے معنی اور مفہوم بیان کرنا لفظوں سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ مُتَوَفِّيكَ، رَافِعُكَ، مُطَهِّرُكَ کا مقصد ایک تھا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ''ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے''۔ مُتَوَفِّيكَ، رَافِعُكَ، مُطَهِّرُكَ کا مقصد حواریون سے الگ کرنا نہیں بتایا گیا۔ آسمانوں پر اٹھانا ہوتا تو یہ تمام انسانوں سے انہیں الگ کرنا ہوتا نہ کہ محض بنی اسرائیل کے کافروں سے۔

مُتَوَفِّيكَ اور مُطَهِّرُكَ کے معنی اور مفہوم کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ اگلے نکتے رَافِعُكَ پر گفتگو سے قبل ایک اہم بات کی وضاحت کرتے چلیں کہ قرآنِ مجید نے بتایا کہ ''موت'' کی ضد، غیر ''حیات'' ہے لیکن ''حیات'' کی ضد، غیر ''وفات'' نہیں۔ پتھروں سے تراشے ہوئے اصنام، بتوں کے متعلق بتایا

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ''وہ (اموات) مادی اجسام ہیں، حیات کے غیر (زندگی سے عاری)'' (حوالہ النحل۔۲۱)

ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ ''جس نے موت اور حیات کو تخلیق کیا'' (حوالہ الملک۔۲)۔

انسان بھی تخلیق سے قبل اصنام ہی کی مانند مادی شئے یعنی أَمْوَاتًا ہوتا ہے۔

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ ''اور کیا وہ جو مادی (مَيْتًا) شئے تھا پھر ہم نے اسے حیات دی'' (حوالہ الانعام۔۱۲۲)

موت اور حیات تخلیق کردہ ہیں لیکن مادہ ''و ف ی'' سے بننے والے الفاظ تخلیق کردہ شئے کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ افعال ہیں۔

رَافِعُکَ (رَافِعُ (مادہ ''ر ف ع'' + کَ) کے معنی اور مفہوم کو جاننے کیلئے قرآنِ مجید کی آیات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں مادہ ''ر ف ع'' سے بنے ہوئے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کے معنی بلند کرنا ہیں۔ جناب راغب نے کہا ہے کہ ''رَفْعُ'' کبھی تو مادی چیز جو پڑی ہو اسے اس کی جگہ سے اٹھا کر بلند کرنے کیلئے بولا جاتا ہے۔ کبھی تعمیر کے وقت دیوار کو کھڑا کرنے اور اوپر لے جانے کیلئے۔ کبھی ناموری اور شہرت یا ذکر بلند کرنے کیلئے بھی اور کبھی مرتبہ بلند کرنے کیلئے آتا ہے۔ جناب راغب کے بتائے ہوئے معنی کی تصدیق و تائید (یا نفی کرنے) کیلئے قرآنِ مجید میں اس مادہ سے بنے ہوئے لفظوں کے معنی دیکھتے ہیں: پہلی بار سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۳ اور پھر آیت ۹۳ میں رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ ٱلطُّورَ اور سورۃ النساء کی آیت ۱۵۴ میں صیغہ غائب میں یوں استعمال ہوا رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ ٱلطُّورَ۔ بنی اسرائیل پر کوہ طور کو بلند کرنے کا مفہوم یا انداز سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۱ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کوہ طور کو زمین سے اٹھا کر ان پر معلق نہیں کر دیا گیا تھا وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ۔ نَتَقْنَا کے معنی کسی چیز کو سخت حرکت دینا اور ہلانا ہیں (تاج) جناب راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو اس طرح کھینچنے کے ہیں کہ وہ ڈھیلی ہو جائے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کھینچنے، ہلانے اور اس کی جڑ سے اکھاڑنے کے ہیں۔ ''جبل'' کے معنی پہاڑ (کوہ طور)۔ ''ظل'' کے معنی ہیں سایہ، دھوپ نہ ہونا، ہر وہ چیز جو کسی کو ڈھانپ لے اور اس پر سایہ فگن ہو۔ اس طرح بات واضح ہے کہ اوٹ میں ہونے کی وجہ سے زلزلے کے شدید جھٹکوں میں انہوں نے محسوس، گمان کیا کہ پہاڑ ان پر اب آیا کہ اب آیا۔ اس کے بعد سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے دست مبارک سے کعبہ معظّمہ کی دیواروں کو اٹھانے، بنیاد سے اوپر کی طرف بلند کرنے کے معنوں میں یہ لفظ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۷ میں یوں استعمال ہوا وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَـٰعِيلُ ''اور جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہم السلام مکہ میں اول) گھر کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے''۔ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى ٱلْعَرْشِ ''اور انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت کے اوپر کیا'' (حوالہ یوسف۔۱۰۰) ٱللَّهُ ٱلَّذِى رَفَعَ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اونچا کیا، تم یہ دیکھتے ہو'' (حوالہ الرعد۔۲) وَإِلَى ٱلسَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ ''آسمان کو کہ کیسے بلند کیا گیا ہے'' (سورۃ الغاشیۃ۔۱۸) اصحاب جنت کا عیش و آرام بتایا'' وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾ ''اور بلندی پر بچھائے ہوئے بچھونوں میں'' (الواقعۃ۔۳۴)

قرآنِ مجید میں ہم نے دیکھا کہ لفظ ''رَفَعَ'' جب بھی مادی طور پر (physically) ''اوپر اٹھانے'' ''بلند کرنے'' کے معنوں میں استعمال ہوا تو اس بات کا تعلق مادی اشیاء، اجسام سے تھا۔ آوازوں کو اونچا کرنے، بلند کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا جب آقائے نامدار ﷺ کے ادب کی اہمیت بتائی گئی

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرۡفَعُوٓاْ أَصۡوَٰتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ ٱلنَّبِيِّ

''اے ایمان لانے والو! اپنی آواز کو (آقائے نامدار) نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو''

اور سورۃ الحجرات کی اس آیت ۲ کے آخر میں خبردار کیا کہ'' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں جب تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو''۔ یارب! تو ہمیں آقائے نامدار ﷺ کا ادب کرنا سکھا دے اور اس سے پناہ دے کہ ہم سے کوئی ایسی بات نادانستگی سے بھی سرزد ہو جو تیرے نزدیک سوئے ادب کے زمرے میں آتی ہو۔

قرآنِ مجید میں انسانوں کے حوالے سے لفظ'' رَفَــــــع''، جس واضح اور غیر مبہم انداز میں استعمال ہوا ہے اسے دیکھتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۳ میں رسولوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا

وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجَٰتٖۚ ''اور ان میں سے بعض کے درجات بلند کئے''۔ سورۃ الانعام میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا'' نَرۡفَعُ دَرَجَٰتٖ مَّن نَّشَآءُۗ ''ہم جس کے چاہتے ہیں رتبے بلند کر دیتے ہیں'' اور یہی الفاظ سورۃ یوسف (علیہ السلام) کی آیت ۷۶ میں استعمال ہوئے۔ عام انسانوں کے بارے میں میں بتایا

وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٖ دَرَجَٰتٖ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمۡۗ (حوالہ الانعام۔۱۶۵)

''اور تمہارے میں سے بعض کے درجے بعض سے بلند (رَفَعَ) کئے ہیں تا کہ جو کچھ تمہیں اس نے دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے''۔

سورۃ الزخرف کی آیت ۳۲ میں تقسیم دولت کی بات کرتے ہوئے فرمایا

وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٖ دَرَجَٰتٖ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُم بَعۡضٗا سُخۡرِيّٗاۗ

''اور ان میں سے بعض کے بعض سے درجے بلند کئے ہیں تا کہ بعض بعض سے کام لیں''

اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۶ میں فرمایا:

وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنَٰهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُۥٓ أَخۡلَدَ إِلَى ٱلۡأَرۡضِ وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُۚ

''لیکن اگر ہم چاہتے تو اس کے ذریعے ہم اسے (رفع) بلند کر دیتے مگر وہ زمین کے ساتھ لگ گیا اور اپنی خواہش پر چل پڑا''

اور اللہ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا رَفِيعُ ٱلدَّرَجَٰتِ ذُو ٱلۡعَرۡشِ ''وہ درجے بلند کرنے والا اور تخت کا مالک ہے'' (حوالہ غافر۔۱۵)۔ صالح عمل کو اللہ ارفع کرتا ہے إِلَيۡهِ يَصۡعَدُ ٱلۡكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ ''اسی کی طرف طیب بات چڑھتی ہے وَٱلۡعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرۡفَعُهُۥۚ اور نیک عمل اس کی طرف بلند، ارفع ہوتا ہے'' (حوالہ فاطر۔۱۰)۔

اور آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کو بتایا وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ﴿٤﴾ ''اور آپ (ﷺ) کے ذکر کو بلند کر دیا ہے'' (سورۃ الشرح ۔۴)۔ جناب راغب کے ''رَفَـعَ'' کے بتائے ہوئے معنی میں یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ صالح عمل بھی اللہ تعالیٰ کی جانب بلند ہوتا ہے جیسے طیب بات يَصۡعَدُ اوپر اللہ تعالیٰ کی جانب بلند ہوتی ہے۔

رَافِعُکَ اِلَیَّ کے معنی اگر اِلـی السمـاء، اللہ کی طرف آسمان پر بلند ہونا، اٹھا لئے جائیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے حواریون سے کہے ہوئے ان الفاظ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب آسمانوں میں جانے کیلئے میرا مددگار کون ہوگا۔ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ میرا مددگار کون ہے؟'' کس مقصد کے لئے؟ اِلَی اللّٰهِ 'اللہ کی طرف'۔ اِلَی اللّٰهِ کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟

وَمَن يَخۡرُجۡ مِنۢ بَيۡتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ

''اور جو اپنے گھر سے نکلے مہاجر بن کر اللہ اور رسول کی طرف'' (حوالہ النساء۔۱۰۰)

اور اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرما رہے ہیں اِلَیَّ ''اپنی طرف''۔ اِلَی اور ''ی'' ضمیر واحد متکلم مجرور ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام جسمانی طور پر آسمانوں پر گئے تھے اور نہ حواریون۔ ''وَ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا کے معنی اور مفہوم یہ قطعی نہیں ہو سکتے کہ ''اور اگر ہم چاہتے تو اسے آسمانوں میں جسمانی طور بلند کر دیتے''۔

لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ بغیر شرک کئے ''اللہ الٰہ ہے'' کی دائمی حقیقت پر جس انسان کا یقین جب تک غیر متزلزل رہتا ہے وہ آسمان کی رفعتوں میں ہوتا ہے

وَمَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ ٱلسَّمَآءِ

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو وہ ایسے ہے جیسے آسمان میں سے گر گیا'' (حوالہ الحج۔۳۱)۔

کیا ان تمام انسانوں کو کوئی جسمانی طور پر رفع اِلی السماء آسمانوں پر اٹھائے ہوئے مان سکتا ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش یہ ہو رہی تھی کہ انہیں قتل کروایا جائے۔ ''وَ مَـا صَلَبُوۡهُ'' انہیں صلیب پر بھی نہیں لے جایا گیا تھا۔ قتل کرنے کے جھوٹے قول کی نفی کرنے کے بعد تذلیل کا پہلو رکھنے والی جھوٹی اختراع کی گئی بات کی بھی نفی کر دی گئی کہ وہ صلیب پر بھی نہیں لے جائے گئے تھے۔ اور اس بات سے اختلاف کرنے والوں کے متعلق یہ بتانے کے بعد کہ اختلاف کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض گمان سے کرتے ہیں اس حقیقت کو پرزور انداز میں ایک بار پھر دہرایا کہ ''انہیں یقیناً قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ اللہ نے اپنی جانب رفعتیں عطا فرمائیں''۔ یہودیوں کے نزدیک صلیب ذلت و رسوائی کا مفہوم لئے ہوئے تھی اور رفعتیں، بلندیاں اس کی ضد ہے۔ اور اس سے قبل ہم پڑھ چکے ہیں کہ اپنی بہترین تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کی طرف بڑھنے سے روک کر ان کی سازش کو ناکام بنانے کیلئے بلند مقام پر محفوظ پناہ گاہ مہیا کر دی تھی۔